"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (قرآن)

سہ روزہ دعوت نئی دہلی

www.dawatonline.com

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۴۳ ● ۱۰ مئی ۲۰۰۹ء ● 10 May 2009 ● یک شنبہ ● ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ ● قیمت=/Rs.5 ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۳ ریال ● Posting: 8 May 2009 Friday

سنہرے حروف

(عبدالمالک مجاہد)

اس کتاب میں نبی اکرمؐ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین، ائمہ عظام، فقہائے کرام، سلف صالحین، نیک طینت خلفاء و سلاطین، صلحائے امت، سپہ سالاران اسلام اور مجاہدین صف شکن کی سیرت اور کردار جو مسلمانان عالم کیلئے مشعل راہ ہیں، کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات دلکش پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ صفحات: 400 ☆ قیمت -/150

مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن

Maktaba Al-Faheem
1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road
Sadar Chowk Maunath Bhanjan (U.P.) 275101
Ph: 0547-2222013 (S) Mob. 8889123129/9236761926

سانپ، اور دیگر بھی زہریلے، جانوروں کے کاٹے ہوئے اور پرانے مشکل مریضوں کا ہومیو پیتھک علاج

سفید داغ کا 100% علاج

ڈاکٹر سہیل اعظمی

پھول پور، اعظم گڑھ (یوپی) Mob. 09839569496

نوٹ: فالج، لیکوریا اور ہائی بلڈ پریشر کا علاج

مولن مطمئن، جیمز کو اندیشہ

واشنگٹن۔ پاکستان کے جوہری اثاثوں کے سلسلے میں اوباما انتظامیہ مختلف الرائے ہے جہاں امریکی فوج کے چیئرمین جوائنٹ چیف آف اسٹاف ایڈمرل مائک مولن کو یہ اطمینان ہے کہ پاکستان کے پاس اپنے جوہری اثاثوں کی حفاظت کی صلاحیت موجود ہے تو دوسری طرف قومی سلامتی کے مشیر جنرل جیمز جونز کو اس سلسلے میں اندیشہ لاحق ہے۔ وہ اسلام آباد سے اس بات کی ضمانت چاہتے ہیں کہ اس کے جوہری ہتھیار شدت پسندوں سے محفوظ ہیں۔ دریں اثناء پاکستان کے صدر آصف علی زرداری نے ایک امریکی ٹی وی چینل کو دیے جانے والے انٹرویو میں امریکیوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ اس کے جوہری ہتھیار محفوظ ہاتھوں میں ہیں۔ ان سے دنیا کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

اسرائیل پر اقوام متحدہ کی تنقید

نیویارک۔ اقوام متحدہ نے غزہ پر اسرائیلی حملوں کے دوران اسرائیلی فوجیوں کی جانب سے اقوام متحدہ کی عمارتوں کو نشانہ بنانے پر اسرائیل کی کڑی تنقید کی ہے۔ واضح رہے کہ اقوام متحدہ نے اس سلسلے میں ایک انکوائری کمیٹی تشکیل دی تھی جس نے اپنا کام شروع کردیا ہے۔ اس کی ایک رپورٹ کے مطابق اسرائیل فوجی تصادم کے دوران اقوام متحدہ کی عمارتوں پر نو بڑے حملے ہوئے جن میں بڑے پیمانے پر انسانی جانیں تلف ہوئیں۔ مرنے والوں میں بچے بھی شامل ہیں۔ زخمیوں کی تعداد بھی سیکڑوں میں ہے۔ ادھر اسرائیل نے اس رپورٹ کو جانبدارانہ قرار دیتے ہوئے مسترد کردیا ہے۔

جارجیا میں بغاوت ناکام

تبلیسی۔ جارجیا نے دعویٰ کیا ہے کہ دارالحکومت تبلیسی کے قریب ایک فوجی چھاؤنی میں ہونے والی بغاوت کو ناکام بنا دیا گیا ہے۔ حکومت کے مطابق اس بغاوت کا مقصد ناٹو کی فوجی مشقوں کو درہم برہم کرنا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ روس کو بھی اپنے دروازے پر ناٹو کی ان فوجی مشقوں کی وجہ سے سخت تشویش لاحق تھی۔ جارجیا کے حکمراں اس کے لئے روس کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں، مگر جارجیا کی حزب اختلاف کے رہنماؤں نے صدر میخائل ساکش ولی پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ انھوں نے داخلی معاملات سے توجہ ہٹانے کے لئے بغاوت کا ڈرامہ رچایا ہے۔

نیپال میں سیاسی سرگرمیاں تیز

کٹھمنڈو۔ نیپال کے صدر ڈاکٹر رام برن یادو نے ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کو نئی حکومت تشکیل دینے کے لئے باہمی صلاح و مشورہ کرنے کی دعوت دی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ باہمی صلاح و مشورہ کا عمل شروع ہوچکا ہے اور یہ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ ایک دوسری کمیونسٹ پارٹی سی پی ایس (یو ایم ایل) نے حکومت بنانے کی ذمہ داری قبول کرلی ہے۔ لیکن سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ ماؤنوازوں کو نظر انداز کرکے کوئی مستحکم حکومت نہیں بنائی جاسکتی۔ دوسری جانب ماؤنوازوں نے کہا ہے کہ وہ اپنی لڑائی کو سدن میں بھی لے جائیں گے اور سڑکوں پر بھی۔ دریں اثناء ماؤنوازوں کی طرف سے سپریم کورٹ میں دائر کردہ ایک اپیل پر عدالت نے صدر سے وضاحت طلب کرلی ہے کہ وزیر اعظم نے جب فوج کے سربراہ کو برطرف کردیا تھا تو کس بنیاد پر انھوں نے ان کی بحالی کا حکم جاری کیا۔

ایرانی صدر کا دورۂ شام

تہران۔ ایرانی صدر ڈاکٹر محمود احمدی نژاد نے ایران اور شام کے تعلقات کو اسٹریٹجک قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان کے دورۂ شام کا مقصد عالمی اور مشرق وسطیٰ کی صورتحال کے بارے میں مزید مشاورت کرنا ہے۔ یہ بات انھوں نے تہران سے دمشق کیلئے روانہ ہونے سے قبل کہی۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ اس دورے میں شام کے صدر بشارالاسد سے ملاقات کے علاوہ فلسطینی گروپوں سے بھی ملاقات کریں گے۔

نیپال کا سیاسی بحران گہرا ہوتا جارہا ہے

نیپال میں گزشتہ چند ماہ سے جاری اقتدار کی جنگ بظاہر وزیر اعظم پشپ کمل دہل پرچنڈ کے استعفے پر منتج ہوئی ہے۔ لیکن کیا یہ استعفیٰ نیپال کے ابر آلود سیاسی مطلع کو صاف کردینے کا موجب بھی بنے گا وثوق کے ساتھ یہ کہنا اس لئے مشکل ہے کیونکہ برہم مستعفی وزیر اعظم نے طبل جنگ بجادیا ہے۔ اب یہ جنگ چہار طرفہ جنگ میں تبدیل ہوگئی ہے۔ جب تک وہ وزیر اعظم رہے ان کے اختلافات فوج کے سربراہ رکمنگد کٹوال اور صدر نیپال ڈاکٹر رام برن یادو تک محدود تھے لیکن جیسے ہی انھوں نے فوج کے سربراہ کے خلاف کارروائی کا اعلان کیا سیاسی اختلافات سرد جنگ میں تبدیل ہوگئے اور دو طرفہ جنگ سہ طرفہ لڑائی میں بدل گئی اس لئے کہ اب اس میں ان کے بعض اتحادی بھی شامل ہوگئے، جنھوں نے حکومت کا ساتھ دینے کی بجائے اپنا وزن صدر اور فوج کے سربراہ کے پلڑے میں ڈال دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پشپ کمل دہل کی حکومت کمزور ہوگئی اور دستور ساز اسمبلی میں اس نے اکثریت کھودی۔ وزیر اعظم پشپ کمل دہل پرچنڈ نے اس لڑائی میں تنہا ہوجانے کے بعد اپنا استعفیٰ تو پیش کردیا لیکن اس کا رخ موڑ دیا ہے۔ ان کی طرف سے صدر کے اس حکم کو بھی سپریم کورٹ میں چیلنج کیا گیا ہے جس میں صدر نے فوج کے سربراہ کو ہٹانے کے ان کے حکم کو کالعدم قرار دیتے ہوئے بحالی کا حکم دیا تھا۔ دوسری طرف حکومت سازی کا عمل اب اور بھی دشوار ہوگیا ہے اس لئے کہ ماؤنوازوں کو نظر انداز کرکے کوئی حکومت نہیں بن سکتی۔ یوں تو نیپال میں بھی دوسرے ترقی پذیر ملکوں کی طرح سیاسی پارٹیاں کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں تاہم دستور ساز اسمبلی میں جن سیاسی جماعتوں کو نمائندگی دی گئی ہے ان کی تعداد ۲۴ ہے۔ ان میں سے بھی محض دس پارٹیاں ایسی ہیں جن کو اپریل ۲۰۰۸ء میں ہونے والے انتخابات کے ذریعے دستور ساز اسمبلی میں نشست حاصل کرنے میں کامیابی نصیب ہوئی۔ نیپال کے الیکشن کمیشن نے انتخابی نتائج کا جو اعلان کیا تھا اس کی رو سے کمیونسٹ پارٹی آف نیپال (ماؤنواز) کو سب سے زیادہ ۱۲۰ نشستیں ملی تھیں، دوسرے نمبر پر نیپالی کانگریس آئی تھی جس کو ۳۷ سیٹیں ملی تھیں، تیسری پوزیشن کمیونسٹ پارٹی آف نیپال (یو ایم ایل) کو حاصل ہوئی جس نے ۳۳ نشستیں جیتی تھیں۔ مدھیسی پیپلز رائٹس فورم نیپال کے امیدوار ۲۹ حلقوں سے کامیاب ہوئے تھے اور وہ چوتھے مقام پر تھی۔ نو سیٹیں حاصل کرنے والی ترائی مدھیسی لوک تانترک پارٹی پانچویں پوزیشن پر تھی، چھٹی پوزیشن سد بھاونا پارٹی کی تھی جس کے چار امیدوار کامیاب ہوئے تھے۔ جن مورچہ نیپال، نیپال ورکرز اینڈ پیزنٹس پارٹی اور کامیاب آزاد امیدواروں کی تعداد دو دو تھی، راشٹریہ جن مورچہ کا صرف ایک امیدوار کامیاب ہوا تھا۔

اپریل ۲۰۰۸ء کے یہ انتخابات دراصل نیپال سے بادشاہت کے خاتمے اور جمہوریت کی بحالی کی اس جدوجہد کے منطقی نتیجے کے طور پر کرائے گئے تھے جو پچھلے بیس پچیس برسوں سے کسی نہ کسی شکل میں نیپال میں جاری تھی اور جس نے ایک خاص مرحلے میں پہنچ کر مسلح جدوجہد کی صورت اختیار کرلی تھی۔ ۱۹۹۰ء تک یہاں آمرانہ حکومت یعنی شخصی حکومت قائم تھی۔ ایک ہی شخص طاقت وقوت اور قانون کا سرچشمہ تھا۔ مگر بالآخر اسے عوامی دباؤ کے آگے جھکنا پڑا اور شاہ بریندر کے زمانے میں سیاسی اصلاحات کا عمل شروع ہوا، انھی کے عہد میں عوامی نمائندگی کے تصور کو روبہ کار لایا گیا اور ایک پارلیمنٹ تشکیل دی گئی جو دو ایوانوں پرتینڈھی سبھا (ایوان نمائندگان) اور راشٹریہ سبھا (قومی کونسل) پر مشتمل تھی لیکن ان سیاسی اصلاحات کو نمائشی کارروائی سمجھا گیا کیونکہ طاقت وقوت کا مرکز پھر بھی بادشاہ تھا اور سارے اختیارات اس کی ذات میں مرکوز ومحدود تھے۔ ان سیاسی اصلاحات سے عوامی امنگیں پوری نہ ہوسکیں لہٰذا بحالیٔ جمہوریت کی کوششیں بدستور جاری رہیں اور یہ خیال کیا جانے لگا کہ جب تک ملک سے بادشاہت کا خاتمہ نہیں ہوگا جمہوری نظام قائم نہیں ہوسکتا۔ جب عوامی مطالبات پورے نہیں ہوئے اور سیاسی بے چینی بڑھتی گئی تو عوامی غم وغصے اور مایوسی نے مسلح جدوجہد کی صورت اختیار کرلی، کمیونسٹ عناصر نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس مسلح جدوجہد کو ابتداء میں تو ملک دشمن سرگرمی سے تعبیر کیا گیا اور اس میں شامل تمام عناصر کو ملک دشمن تصور کیا گیا لیکن پھر ان سے بات چیت کی بات کہی جانے لگی۔ اسی دوران شاہ بریندر کی ان کے قریبی اہل خانہ کے ساتھ موت کا اندوہناک واقعہ بھی پیش آیا۔ اس کے بعد ہی یہ محسوس کیا جانے لگا کہ ملک کے حفاظتی دستوں سے برسرپیکار عناصر کو بھی سیاسی عمل کا حصہ بنایا جائے، اس پر غور کیا جائے کہ ان کے ساتھ مفاہمت ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر کوئی صورت ہو تو نہ صرف اس کی گنجائش نکالی جائے بلکہ اس کی راہیں ہموار کی جائیں۔ یوں کمیونسٹ عناصر کے ساتھ بات چیت کا عمل شروع ہوا اور ملک سے بادشاہت کے خاتمے کا راستہ صاف کیا جانے لگا۔ جب ملک میں جمہوریت کی بحالی کے آثار پیدا ہوئے تو باغی عناصر کے اندر موجود گروہ بندیاں نمایاں ہوکر سامنے آنے لگیں اور سب سے بڑے منظم گروپ کے طور پر جو لوگ ابھر کر سامنے آئے پشپ کمل دہل پرچنڈ اس کے سربراہ تھے اس گروپ کو عرف عام میں ماؤنواز کمیونسٹ کہا جاتا ہے۔ ان ماؤنوازوں نے ملک سے بادشاہت کے خاتمے کی جدوجہد کے نام پر ۱۹۹۴ء میں ہتھیار اٹھایا اور مسلسل دس سال تک شاہ نیپال کی وفادار فوج سے نبرد آزما رہے جو اس وقت تک رائل نیپال آرمی کہی جاتی تھی، اس دوران دونوں کو یہ احساس ہوگیا کہ اس طرح کوئی کسی کو زیر نہیں کرسکتا اور نہ مطلوبہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ایک طرف فوج کو یہ اندازہ ہوگیا کہ مسلح ماؤنوازوں پر قابو پانا مشکل ہے تو دوسری طرف مسلح اور برسرپیکار ماؤنوازوں کو بھی اس کا یقین ہوگیا کہ تبدیلی اس طرح نہیں لائی جاسکتی نہ عوامی اقتدار کے حصول کا یہ راستہ درست ہے۔ لہٰذا مذاکرات کا ڈول ڈالا گیا اور یہ طے پایا کہ مفاہمت کا راستہ اپنایا جائے اور تمام سیاسی عناصر کو جوڑا جائے۔

اپریل ۲۰۰۶ء میں ایک عبوری دستور بنا، ایک ایوان نمائندگان تشکیل دیا گیا۔ باغی ماؤنوازوں کے ساتھ امن بات چیت شروع ہوئی اور انہیں سیاسی عمل کا حصہ بنانے پر غور کیا جانے لگا۔ نومبر ۲۰۰۶ء میں ایک جامع امن معاہدہ (سی پی اے) تیار کیا گیا، اس کی تیاری میں اقوام متحدہ کے مشن (یو این ایم آئی این) نے کلیدی کردار ادا کیا۔ اس جامع امن معاہدے کی ایک بنیادی شق یہ تھی کہ نیپالی فوج (نیپالی آرمی) اور ماؤنواز مسلح جنگجوؤں پر مشتمل مسلح دستہ یعنی ماؤسٹ پیپلز لبریشن آرمی (پی ایل اے) کو ضم کرکے ایک قومی فوج تشکیل دی جائے گی۔ واضح رہے کہ اس جامع امن معاہدہ کو دستور کا ایک حصہ بنادیا گیا۔ (دفعہ ۲۔۱۔۵)

پارلیمانی نشستوں کی تعداد بڑھا کر ۳۳۰ کردی گئی، جو پہلے شاہ بریندر کے زمانے میں ۲۶۵ تھی۔ اپریل ۲۰۰۷ء میں کمیونسٹ ماؤنوازوں کو عبوری حکومت میں شامل کرلیا گیا، دسمبر ۲۰۰۷ء میں عبوری پارلیمنٹ نے ایک بل کو منظوری دی جس میں نیپال کو وفاقی جمہوریہ قرار دیا گیا تھا اور وزیر اعظم کو اسٹیٹ کا سربراہ، اپریل ۲۰۰۸ء میں دستور ساز اسمبلی کی تشکیل کیلئے عام انتخابات کرائے گئے۔ ماؤنوازوں کو جس میں زبردست کامیابی ملی مگر وہ اکثریت حاصل نہیں کرسکے۔ مئی ۲۰۰۸ء میں اس بل کو دستور ساز اسمبلی سے منظور کرایا گیا اور اسی دن ۲۳۹ سالہ بادشاہت کے خاتمے کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ جب جون ۲۰۰۸ء میں وزیر اعظم گرجا پرشاد کوئرالہ نے نو تشکیل شدہ دستور ساز اسمبلی کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کیا تو نئی حکومت کی تشکیل کا مرحلہ آیا لیکن اس میں تاخیر یوں ہوتی رہی کہ وزیر اعظم کے سوال پر جو اختلافات موجود تھے ان کو دور نہیں کیا جاسکا۔ دستور ساز اسمبلی کے لئے منتخب ہونے والے نمائندے اس مسئلے پر مختلف الرائے تھے۔ ماؤنواز کمیونسٹ ہرچند کہ اکثریت میں تھے اور حکومت تشکیل دینے کا ان کا دعویٰ مضبوط تھا مگر وہ دوسری پارٹیوں کو ہمنوا بنانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہے تھے۔ یہاں یہ بتادینا بے محل نہ ہوگا کہ

باقی صفحہ ۶ پر

ساری دُنیا اِنفلوئنزا وبا کی لپیٹ میں

خطرناک بیماری انفلوئنزا اے یا ایچ این ون جسے عام طور سے سوائن فلو کہا جارہا ہے، پورے یورپ اور لاطینی امریکہ میں وبائی شکل میں پھیل چکی ہے جس پر پوری دنیا میں خوف ودہشت کا ماحول ہے۔ ابھی تک ایشیا کو اس سے محفوظ قرار دیا جارہا تھا لیکن کوریا میں ایچ این ون فلو کیس کی تصدیق ہوچکی ہے۔ جنوبی امریکہ کے کولمبیا نے بھی سوائن فلو کیس کی موجودگی کی تصدیق کردی ہے تاہم بھارت تادم تحریر اس وبا سے محفوظ ہے پھر بھی زبردست ایمرجنسی پیمانے پر احتیاطی تدابیر کی جارہی ہیں بالخصوص متاثرہ ملکوں سے آنے والی پروازوں کے مسافروں کا ہوائی اڈے پر سختی کے ساتھ چیک اپ کیا جارہا ہے۔ حیدرآباد، دہلی، تھروانتھا پورم اور وارانسی ہوائی اڈوں پر اب تک ۱۰۱۲ مسافروں کے اس طرح کے سیمپل لئے جاچکے ہیں۔ لیکن وہ سبھی نگیٹیو پائے گئے ہیں۔ ذمہ داروں کو کسی کے چھینکنے کی خبر ملتی ہے تو وہ فوراً چوکنے ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ چینی ایئرویز کی پرواز پر ایک بھارتی کو جس نے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر ہوائی جہاز کے اترنے سے پہلے کئی بار چھینک دیا تھا۔ عملہ کے لوگوں نے سب سے الگ تھلگ ایک طرف بند کردیا تھا۔ وزارت صحت کی گائیڈ لائن کے مطابق اسٹاف نے اس کو سیفٹی گیئر پر رکھ دیا اور اس کے آگے پیچھے تین لائنوں میں بیٹھے ہوئے مسافروں کو ماسک پہنا دیے۔ اس کے بعد ایئرپورٹ پبلک ہیلتھ آفس سے رابطہ قائم کیا۔ اس پرواز کو رات کے سوا بجے پہنچنا تھا۔ ایئرپورٹ پر اسٹاف کو رن وے پر بھیجا گیا۔ اگرچہ ٹیسٹ میں مشکوک مسافر نگیٹیو پایا گیا اس لئے اس کو اسپتال بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ پھر بھی اس کا لوکل ایڈریس اور کنٹیکٹ نمبر لے لیا گیا اور اس کو مشورہ دیا گیا کہ اگر فیور یا فلو کی کوئی اور علامت پائی جائے تو فوراً ایئرپورٹ سے رابطہ قائم کرے۔ آنے والے تمام مسافروں سے امیگریشن کاؤنٹر پر ایک فارم بھرنے کے لئے کہا جارہا ہے اور جن کو بخار، کھانسی، سانس لینے میں تنگی جیسی کوئی شکایت پائی جاتی ہے ان کا میڈیکل چیک اپ کرایا جاتا ہے۔

ایچ (این) فلو کے پہلے کیس کے بارے میں شک ظاہر کیا جارہا ہے کہ یہ کناڈا میں ایک فارم ورکر سے سوروں کو منتقل ہوا۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ ایچ این ون کی نسل اگر انسانوں سے خنزیروں کو منتقل ہوتی ہے تو وہ اتنی زیادہ خطرناک بیماری کا سبب نہیں ہوتی جتنا کہ اور یجنل سور کا فلو وائرس ہوتا ہے۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق اب تک تقریباً بیس ملکوں سے اس وبا کی شکایتیں مل چکی ہیں سب سے زیادہ تعداد شمالی امریکہ کے میکسیکو میں پائی گئی ہے۔ خود امریکہ سے بھی ۱۶۰ سے زیادہ کیسوں کی تصدیق ہوچکی ہے۔ مصر نے ملک بھر میں پائے جانے والے تمام تین لاکھ سوروں کو مار ڈالنے کیلئے مہم شروع کردی ہے حالانکہ ابھی وہاں سوائن فلو کا کوئی کیس نہیں پایا گیا ہے۔ مصر میں دس فیصد عیسائی آبادی ہے۔ اندازہ ہے کہ انھوں نے تین ساڑھے تین لاکھ سور اپنے فارموں میں پال رکھے ہیں۔ قاہرہ کے ہوائی اڈے پر میکسیکو اور دوسرے متاثر ملکوں سے آنے والے مسافروں کے چیک اپ کے لئے میڈیکل اسٹاف میں اضافہ کردیا گیا ہے۔ گیبونی اور گھانا نے سور کے گوشت اور اس کی مصنوعات کی درآمد معطل کردی ہے اور تمام سرحدی انٹری مقامات طبی چیک اپ میں اضافہ کردیا ہے۔ آسٹریا نے اپنی کل آبادی ۸۱ لاکھ کی نصف تعداد چالیس لاکھ لوگوں کیلئے کافی ہونے والی اینٹی وائرل دواؤں کا اسٹاک کرلیا ہے اور مکمل آبادی کے لئے ویکسین تیار کرنے کی اہلیت کو محفوظ کردیا ہے۔ اس نے ۸۰ لاکھ تحفظاتی ماسک بھی اسٹاک کرلئے ہیں۔ برطانیہ نے فلو کے خطرے پر قابو پانے کیلئے ایک زبردست اشتہاری مہم چھیڑی ہے۔ اس نے بھی اپنی نصف آبادی کے علاج کے لئے اینٹی وائرل اسٹاک کرلئے ہیں۔ یاد رہے کہ گزشتہ چند برسوں سے انفلوئنزا

باقی صفحہ ۶ پر

بلا تبصرہ

انصاف میں تاخیر ناانصافی کی مترادف ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں عدالتی کارروائی کا یہ حال ہے کہ متعدد مقدمات میں انصاف کے حصول میں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اس غیر معمولی تاخیر سے انصاف کا اصل مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔ گجرات فسادات کے معاملے میں سپریم کورٹ کا اقدام قابل تعریف ہے، لیکن اس پر تبھی یقین کیا جاسکے گا جب عدالتی کارروائی شفاف اور تیزی سے ہو۔

پوجا کولوال، جے پور

ٹائمز آف انڈیا، ۵ مئی ۲۰۰۹ء

خبر و نظر

جب میڈیا میں یہ خبر آئی

چند روز قبل میڈیا میں جب یہ خبر پہلی بار آئی کہ پاکستان کے اُن قبائلی علاقوں میں جہاں طالبان کا غلبہ ہے ہندو سکھ شہریوں پر ظلم کیا جارہا ہے اور طالبان جبراً اُن سے جزیہ وصول کر رہے ہیں، تو ذہن فی الفور اس طرف گیا کہ طالبان کو بدنام کرنے کا یہ پروپگنڈا اُس دھمکی کا پرتو ہے جو وادیٔ سوات میں بعض شرعی قوانین کے نفاذ کے سوال پر طالبان اور حکومت پاکستان کے درمیان معاہدہ کے بعد امریکہ نے دی تھی، کہا تھا وہ اس معاہدے کو ہرگز چلنے نہیں دے گا۔ اس کے بعد ہی سے طالبان کی ''وحشیانہ'' کارروائیوں کی خبریں آنے لگیں۔ ایک لڑکی کو سرعام کوڑے لگائے جانے کی خبر بہت بڑے پیمانے پر پوری دنیا میں عام کی گئی۔ جبکہ بعد میں یہ خبر بے بنیاد ثابت ہوئی۔ پھر بونیر پر طالبان کے قبضے اور اسلام آباد کی طرف پیش قدمی کی خبروں کے دوران یہ خبریں آنے لگیں کہ طالبان اور پاکستانی فوج کے ممکنہ ٹکراؤ کی زد سے بچنے کے لئے لاکھوں افراد گھر بار چھوڑ رہے ہیں، ان میں ۹۵ فیصد مسلمان ہیں۔ کچھ سکھ اور ہندو خاندان بھی ہیں۔ لیکن ان پر ظلم وجبر یا جزیہ وصولی کی خبر کہیں سے نہیں ملی، ظلم وجبر اور جزیہ کی خبریں انڈین میڈیا بڑے پیمانے پر پھیلا رہا تھا اور طالبان کی مذمت میں ہندوستانی لیڈروں کے بیانات کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا۔

مسلم رہنماؤں کے بیان کے بعد

پھر جب ۴ مئی کے اخباروں میں بعض مسلم رہنماؤں کا ایک تیز وتند بیان طالبان کی کارروائی کی مذمت میں آیا تو خیال ہوا کہ ہوسکتا ہے خبر درست ہو، مسلم رہنماؤں نے یہ بیان اپنے ذرائع سے خبروں کی تصدیق کرلینے کے بعد ہی جاری کیا ہوگا۔ لہٰذا صحیح صورتحال معلوم کرنے کے لئے انٹرنیٹ کھنگالا گیا، کچھ نہ ملا۔ البتہ ۴ مئی کے انگریزی روزنامے ڈان میں یہ خبر ملی کہ تین سو افراد پر مشتمل ۱۱۵ سکھ خاندانوں کا ایک قافلہ بونیر سے حسن ابدال میں گرودوارہ پنجہ صاحب پہنچ گیا ہے۔ حکومت ان کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔ حالات معمول پر آتے ہی یہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے۔ ۴ مئی کے ہی انڈین ایکسپریس میں پاکستان سکھ گرودوارہ پربندھک کمیٹی کے صدر سردار بشن سنگھ کا یہ بیان تھا کہ ''مسلمانوں کے مقابلے میں ہم لوگ محفوظ ہیں، طالبان ہمارے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ وہ ہم سے جزیہ کے نام پر کچھ رقم طلب کرتے ہیں جو ہم بخوشی دے دیتے ہیں جبکہ مسلمانوں سے وہ جبراً وصول کرتے ہیں، نہ ملنے پر انہیں مار دیتے ہیں''۔ ۴ مئی کی شام ہی کو مدیر دعوت نے لاہور فون کرکے مدیر ایشیا حافظ محمد الیاس سے بات کی، انھوں نے بتایا ''ظلم وجبر یا جزیہ وصولی جیسی کوئی بات نہیں ہے۔ جب سوات میں جہاں طالبان جم چکے ہیں، یہ کارروائیاں نہیں کررہے ہیں تو اُن علاقوں میں کیسے کرسکتے ہیں جہاں وہ جم ہی نہیں سکے ہیں''۔

یہ جلد بازی وہی تھی

گویا میڈیا تو اپنی عادت کے مطابق شرانگیزی میں مصروف تھا ہی اور گورنمنٹ بھی اپنی پالیسی کے مطابق بول رہی تھی، لیکن مسلم رہنماؤں نے بھی بیان بازی میں کچھ کم جلد بازی نہیں دکھائی۔ اور یہ جلد بازی عین وہی تھی جس کا مظاہرہ ہر بم دھماکے کے بعد کیا جاتا رہا۔ اِدھر دھماکے کے ساتھ ہی پولس کے حوالے سے میڈیا نے خبر دی کہ فلاں اور فلاں مسلم گروپ کا ہاتھ ہے، اُدھر مسلم رہنماؤں کی جانب سے مذمتی بیانات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ دنیا کا ہر دیانتدار مبصر جانتا ہے کہ امریکہ نے آج کل پاک افغان سرحد کو اپنی ریشہ دوانیوں کا مرکز بنایا ہوا ہے۔ عقیدۂ اسلام اور شریعت اس کا ہدف ہے۔ پاکستان اور طالبان محض علامت اور آڑ ہیں۔ ہر وہ افواہ پھیلائی جائے گی جس سے شریعت اسلامی کی تصویر بھیانک بنائی جاسکتی ہو، ہر معمولی واقعہ کو بہانہ بنایا جائے گا، بلکہ ''واقعات'' کرائے جائیں گے۔ کبھی داڑھی، پگڑی یا ٹوپی والے مسلمانوں کو آگے لاکر، کبھی غیر مسلموں کو داڑھی پگڑی، ٹوپی لنگی میں ملبوس کرکے۔ مسلمانوں کو انتہائی محتاط رہنا ہوگا۔ جہاں تک طالبان کا تعلق ہے، ان کا کردار مشکوک ہے۔ ہوسکتا ہے غیر شعوری طور پر یہ لوگ امریکہ کے ہاتھوں استعمال ہورہے ہوں۔ اس لئے ان کے تعلق سے آنے والی ہر خبر کی تصدیق اچھی طرح کرلینی چاہئے (پ ر)

بکھرے ہوئے عناصر کو جوڑنے کی کوششیں

الیکشن کے موجودہ رجحانات سے یہ واضح ہورہا ہے کہ اس بار بھی کسی ایک سیاسی جماعت کو واضح اکثریت حاصل نہیں ہورہی ہے۔ ماہرین کی رایوں اور تجزیہ نگاروں کے اندازوں سے یہی ظاہر ہورہا ہے۔ الیکشن کے چار مراحل گزر چکے ہیں۔ ان چاروں مرحلوں میں کسی ایک جماعت کے حق میں نہ کہیں لہر نظر آئی نہ کسی اتحاد کی حمایت میں عوام کا رجحان ظاہر ہوا۔ حالانکہ دعوے سبھی کررہے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سیاسی صف بندی کا عمل بھی پھیکا پھیکا سا نظر آرہا ہے۔ علاقائی جماعتوں کی چمک دمک اور کشش بھی ماند پڑتی نظر آرہی ہے۔ یہ بھی محسوس ہونے لگا ہے کہ عام ووٹروں کے سیاسی شعور کی سطح بھی پہلے کے مقابلے میں بلند ہوئی ہے۔ اب معمولی پڑھا لکھا ووٹر بھی اپنے ووٹ کی اہمیت کو سمجھنے لگا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی رائے ظاہر کرنے کے معاملے میں محتاط بھی ہوگیا ہے اور ہوشیار بھی۔ اس صورتحال نے ہر جماعت کی اہمیت کو بڑھا دیا ہے۔ اب چھوٹی چھوٹی سیاسی جماعتوں کی بھی اہمیت ہوگئی ہے اور ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ ان کا کردار، کلیدی رول ادا کرے گا۔ اب تک ڈالے گئے ووٹوں کا تناسب بھی اسی جانب اشارہ کررہا ہے۔ اب دس پندرہ فیصد ووٹ حاصل کرنے والی جماعتیں بھی بڑا الٹ پھیر کرسکتی ہیں۔ اگر ان کے ووٹوں کی شرح میں تھوڑا بہت اضافہ بھی ہوگیا تو کامیابی سے بھی ہمکنار ہوسکتی ہیں۔

یوں تو دو بڑے اتحاد یعنی یو پی اے اور این ڈی اے اس کی کوششیں کررہے ہیں کہ انہیں دوبارہ اقتدار میں آنے کا موقع ملے، لیکن ان کے لیڈروں کے بیانات سے بھی یہ ظاہر ہونے لگا ہے کہ انہیں بھی خوب معلوم ہے کہ نتائج کیا آنے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب انھوں نے چھوٹی جماعتوں کو نشانہ بنانے سے پرہیز شروع کردیا ہے اور کم ازکم اتنا تو ہوا ہی ہے کہ انھوں نے اپنے لب ولہجے کا تیکھاپن دور کرنے کی کوششیں شروع کردی ہیں۔ اس خوف کے پیش نظر کہ کیا پتہ کل کس سے ہاتھ ملانا پڑ جائے، دوسری طرف چھوٹی جماعتوں کے تیور بھی یہ بتارہے ہیں کہ ان کو بھی اب یہ احساس ہوگیا ہے کہ وہ اپنی قیمت لگا سکتی ہیں اور اونچی بولی لگانے پر دوسروں کو مجبور کرسکتی ہیں۔ اس لئے کہ پچاس پچپن فیصد ووٹ پڑنے کی وجہ سے پندرہ فیصد ووٹوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ اس سے اگر مقابلہ جیتا نہیں جاسکتا ہے تو اس کو سخت تو ضرور بنایا جاسکتا ہے اور اس کی بھی اپنی جگہ ایک اہمیت ہے۔

باقی صفحہ ۶ پر

شریعہ فنڈز کی بڑھتی ہوئی مقبولیت

وکاس کمار

دنیا آج اقتصادی بحران کے جس دور سے گزر رہی ہے اس کی اہم وجہ امریکہ ہے۔ امریکی بینکوں نے بے حساب منافع کمانے کی کوشش میں کاروبار کے عام شرائط وضوابط کو نظر انداز کردیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ یکے بعد دیگرے تمام امریکی بینک تاش کے پتوں کی طرح بکھر گئے۔ وہاں آج بھی ہر مہینے ایک دو بینک دیوالیہ پن کے شکار ہورہے ہیں۔ وہاں کا مالیاتی نظام فی الحال ''سرکاری آکسیجن'' پر زندہ ہے۔

یوروپ کی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ لیکن وہاں کی سرکار حالات کی سنجیدگی کا صحیح اندازہ نہیں کرپارہی ہے۔ نوبل انعام یافتہ پاؤل کروگ مین کے مطابق یوروپ نے اگر حالات کو قابو میں کرنے کے لئے وقت سے پہلے قدم نہ اٹھایا تو صورتحال مزید ابتر ہوجائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اسلامک بینکوں نے دنیا بھر میں ۱۰۰ ارب ڈالر سے زیادہ رقم اکٹھا کرلی ہے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ جب دنیا بھر میں بینکوں کی حالت نازک ہے اور ان کے پاس نقدی کی قلت ہورہی ہے تو اسلامک بینکوں کی صحت بہتر ہورہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی شریعہ فنڈ بھی بہتر کارگزاری پیش کررہے ہیں اور لوگ اس میں بلاجھجک سرمایہ کاری کررہے ہیں لیکن ہندوستان میں شریعہ فنڈ کا خیال نیا ہے۔ چونکہ اب گاہکوں کے پاس زیادہ متبادل نہیں ہے اس لئے کئی کمپنیاں اس طرح کے پروڈکٹ لارہی ہیں۔

شریعہ فنڈ

شریعہ فنڈ دوسرے میوچول فنڈ کی طرح ہی ہوتے ہیں لیکن اس میں لوگوں کے پیسے کی سرمایہ کاری اسلامی قوانین کے مطابق کی جاتی ہے جس کے تحت سود لینا، سود دینا، شراب، گوشت، تفریح سے متعلق کاروبار مثلاً ہوٹل اور فلم سے منسلک کمپنیوں میں سرمایہ کاری نہیں کی جاتی۔ یہی نہیں مالیاتی فرم جیسے سرمایہ کاری بینکوں میں بھی سرمایہ کاری نہیں کی جاتی، کیونکہ یہ سود کے کاروبار سے منسلک ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسلحوں کے کاروبار سے منسلک کمپنیوں میں بھی سرمایہ کاری نہیں کی جاتی۔ شریعہ فنڈز کی کارکردگی پر اس کا مثبت اثر دیکھنے کو ملا ہے۔ کیونکہ لوگوں کا پیسہ ان کمپنیوں میں نہیں لگا جن کے بیلنس شیٹ میں کافی قرض دکھایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اقتصادی بحران میں سب سے زیادہ نقصان بھی بینک اور دوسری مالیاتی فرموں کو ہی ہوا لیکن شریعہ فنڈ اس طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہونے سے بچ گئے۔ اس کے برعکس جن فنڈوں نے اپنا پیسہ اس طرح کی فرم میں لگایا تھا انہیں کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ مشرق وسطیٰ میں کئی شریعہ فنڈ کافی مقبول ہیں، مثلاً آزاد ایتھکل انکم، آزاد ایتھکل مڈکیپ اور آمنہ ٹرسٹ انکم فنڈ۔ حالانکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ تمام لوگ صرف مذہب کی وجہ سے ہی اس طرح کے فنڈ سے منسلک نہیں ہورہے ہیں، بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ باقی جگہوں کے مقابلے میں یہاں ان کا پیسہ زیادہ محفوظ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذہب کے لوگوں میں بھی یہ فنڈ مقبول ہورہا ہے۔ لیکن ماہرین کا یہ بھی ماننا ہے کہ ایک بار جب دنیا اقتصادی بحران سے نکل جائے گی تو سرمایہ کار دوبارہ دوسرے پروڈکٹس کی طرف دھیان دینا شروع کردیں گے۔

بیرونی ممالک میں شریعہ فنڈوں کے ساتھ درپیش مسئلہ

شریعہ فنڈوں کی کارکردگی کافی حد تک مشرق وسطیٰ کی اقتصادیات پر منحصر کرتی ہے جس میں ریئل اسٹیٹ کافی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن اس سیکٹر کا شرح نمو کم ہونے کے ساتھ ہی ان کی کارکردگی بھی متاثر ہوگی۔

ہندوستان میں شریعہ فنڈ کی صورت حال

یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ ممبئی اسٹاک ایکسچینج میں ۲۵۰ ایسی کمپنیاں درج فہرست ہیں جن کا کاروبار شریعہ کے مطابق ہے۔ ان کی بازاری قیمت یا مارکیٹ کیپٹلائزیشن کل بازار کا اکسٹھ فیصد ہے جو کئی اسلامی ممالک، مثلاً پاکستان، ملیشیا اور بحرین سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ملک میں شریعہ فنڈوں کی تعداد کافی کم ہے۔ اس کی اہم وجہ سرمایہ کاروں کی کم دلچسپی اور سیکورٹی اینڈ ایکسچینج بورڈ آف انڈیا کے ذریعہ اجازت دینے میں کی جانے والی تاخیر ہے۔ لیکن اب حالات بدل رہے ہیں۔ 'تورس' نے سب سے پہلے ایتھکل فنڈ لانچ کیا تھا۔ اس کے بعد حال ہی میں 'بینچ مارک' نام کی ایسیٹ مینجمنٹ کمپنی نے شریعہ فنڈ لاکر مسلم سرمایہ کاروں کو متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ انل دھیرو بھائی امبانی کی ریلائنس کیپٹل، ملک کی سب سے پرانی ایسٹ مینجمنٹ کمپنی یوٹی آئی، ایڈل وائس اور ریلی گیئر جیسی کمپنیاں شریعہ پر مبنی فنڈ لانے کی زور وشور سے تیاری کررہی ہیں۔ لیکن اس میں کچھ وقت درکار ہے کیونکہ اسٹاک مارکیٹ ریگولیٹر سے اجازت ملنا ابھی باقی ہے۔ سبھی شریعہ فنڈوں کے معاملے پر غیر یقینی کی صورت حال میں مبتلا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ اس میں ایک خاص طبقہ کے لوگ ہی آتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ شیئروں کے پورٹ فولیو کے انتخاب کے طریقے پر مطمئن نظر نہیں آتے۔ لیکن انل دھیرو بھائی امبانی کی ریلائنس کیپٹل نے امیر طبقہ کے لوگوں کے لئے شریعہ پر مبنی پورٹ فولیو مینجمنٹ خدمات شروع کی ہیں۔

شریعہ فنڈ کا مستقبل

اہم مالیاتی کمپنیاں شریعہ فنڈ لانچ کرنے میں دلچسپی ظاہر کررہی ہیں۔ ان کی نظر ملک میں مسلمانوں کے بڑے طبقے پر ہے جو ابھی بازار کے دائرے سے باہر ہیں۔ اقتصادی بحران کی وجہ سے سبھی ایسیٹ مینجمنٹ کمپنیوں کی صورت حال ابتر ہے اور ان کے پاس نئے سرمایہ کار آنے سے پرہیز کررہے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ اپنے لئے گاہکوں کا نیا طبقہ تلاش کررہے ہیں۔ تورس میوچول فنڈ کے چیف اگزیکیٹو افسر وقار نقوی، دی سنڈے انڈین، سے بات چیت کرتے ہوئے کہتے ہیں ''مجھے ان کا مستقبل تابناک نظر نہیں آتا کیونکہ مجموعی طور پر لوگوں کا جو ردعمل ہوتا ہے نجی طور پر وہی ردعمل دیکھنے کو نہیں ملتا۔ یہ اصولاً تو اچھا لگتا ہے لیکن اس کا امکان کم ہی نظر آتا ہے کہ یہ بڑے پیمانے پر لوگوں کو یکجا کرپائے گا۔'' 1996ء میں ٹاٹا میوچول فنڈ نے شریعہ پر مبنی فنڈ بازار میں لانچ کیا تھا لیکن اس نے شریعہ بورڈ کی اجازت نہیں لی تھی۔ اس وقت سے لے کر آج تک اس فنڈ نے بارہ فیصد کی شرح سے ریٹرن دیا ہے اور فنڈ کا دائرہ پھیل کر ترسٹھ کروڑ روپے ہوگیا ہے۔ اس کارکردگی کو کسی بھی معنی میں کمتر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ہندوستان میں شریعہ پروڈکٹ کے لئے کافی مواقع ہیں۔ لیکن ان کا مستقبل اس بات پر منحصر کرے گا کہ اقتصادی بحران سے نکلنے کے بعد ان کی کارکردگی کیسی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی بڑی آبادی مذہبی ہے اور ان کے جذبات کا خیال رکھنے والے فائنانشیل پروڈکٹ ان کے سامنے پیش نہیں کئے گئے ہیں۔ کمپنیاں اب ان کے سامنے متبادل پیش کرکے ان تک پہنچنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔

''ویلیو ریسرچ آن لائن'' کے چیف اگزیکیٹو دھیریندر کمار کہتے ہیں ''ان میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاروں کو متوجہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے کیونکہ یہ آبادی کے خاص طبقے کے لئے بنائے گئے ہیں۔''

عالمی سطح پر دیکھا جائے تو شریعہ فنڈوں کا دائرہ پینسٹھ ارب ڈالر کے قریب ہے اور گزشتہ چھ سال میں انہوں نے ۲۲ فیصد کی شرح سے ریٹرن دیا ہے۔ کوئی بھی فنڈ ہو، اسے قائم رہنے کے لئے بازار سے کم از کم ۵۰ سے ۱۰۰ کروڑ تو اٹھانا ہی پڑے گا۔ ایسے میں مارکیٹنگ کی اہمیت بہت زیادہ ہوگی۔ کمپنیاں اس معاملے میں غور وخوض کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہیں۔

(دی سنڈے انڈین)

پوری ملت کو خاموشی اختیار کرنے کی یہ تلقین...

عبدالوہاب عبدالغنی دربھنگہ

اردو کے ایک معروف اخبار کے ۲۲/اپریل کے شمارے میں جناب طاہر محمود صاحب کا ایک مضمون ''اسلامی تشخص، مسلم مسائل اور نوشتہ دیوار'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے حالیہ دنوں میں جسٹس کاٹجو کے مسلمانوں کی داڑھی سے متعلق بیان پر ہورہے احتجاج میں صبر اور ضبط سے کام لینے اور خاموشی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور دستور اور قانون کی حد سے تجاوز کرنے کے برے نتائج سے ڈرایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سیکولر ملک میں ایسے بیان پر نہ تو زیادہ زور دینا چاہئے اور نہ ہی زیادہ احتجاج کرنا مناسب ہے۔ ان کے مطابق ''نوشتہ دیوار سے آنکھ یکسر بند رکھنا کہیں ملت کے حقوق اور مفادات کے لئے سم قاتل نہ ہو۔''

اس پورے مسئلے کو وہ کسی اور ہی نقطۂ نظر سے دیکھ رہے ہیں جس سے ہم اتفاق نہیں کرسکتے۔ ان کی نظر صرف ''نوشتہ دیوار'' پر ہے اور ہم اسے زمین پر پوری طور پر روبہ عمل دیکھتے ہیں جو روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ دشمن پورے کام کے لئے بغیر کسی دستور اور قانون کی پابندی کے پوری طرح میدان میں اُتر چکا ہے۔ کیا ان کی نظر گجرات اور اس طرح کے آئے دن ہونے والے واقعات پر نہیں ہے؟ بابری مسجد کی شہادت کی بات ہو یا خود دہشت گردی کے الزام ہمارے سر تھوپنے کی ہمارے نوجوانوں کو بغیر کسی جرم کے شک کا بہانہ بنا کر گرفتار کرنے اور زدوکوب کرنے، سیمی کو کلین چٹ مل جانے کے باوجود پابندی جاری رکھتے ہوئے الزام پر الزام لگانے، ایک ایک کرکے ہمارے دینی شعائر پر حملہ کرنے کے واقعات یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں کہ بات دیوار سے گر کر زمین پر آچکی ہے؟ ان سب پر ہم ''آہ'' اور احتجاج کرنے کے علاوہ اور کرتے ہی کیا ہیں، کوئی ایک بھی مثال ایسی نہیں دی جاسکتی جو یہ ثابت کرسکے کہ ہم نے ملک اور قانون کے خلاف کوئی اقدام کیا ہے۔ پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ ''ہم وفادار نہیں''۔ دوسرے طرف حالت یہ ہے کہ ہمارے خلاف ہنگاموں میں کسی قانون، انصاف یا اخلاق کی پابندی نہ تو کی جاتی ہے اور نہ کرائی جاتی ہے۔ دور کیوں جایئے کیا لوگوں نے دیکھا نہیں کہ عدالت عالیہ میں حلف نامہ داخل کرنے کے باوجود ساری دنیا کی نظروں کے سامنے دستور (قانون) انصاف اور عدالت کا مذاق اڑاتے ہوئے مسجد شہید کردی گئی۔ یہ ان لوگوں نے کیا جو ملک کے رہنما اور پاسبان اور دستور اور قانون کے محافظ کہلاتے ہیں۔ سولہ سال گزرنے کے باوجود آج تک ہمیں انصاف نہیں مل سکا۔

مضمون نگار نے اپنے مقالے میں اسلامی شعائر کو ضروری اور غیر ضروری خانوں میں بانٹنے کی کوشش کرتے ہوئے ہمیں مشورہ دیا ہے کہ غیر ضروری شعائر پر حرف آتے دیکھنے کے باوجود ہم زیادہ ہنگامہ اور شور وغل نہ مچائیں۔ ایسا کرنے کے خراب نتائج سے بھی انہوں نے ڈرایا ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ دوسروں کی طرح انہوں نے بھی اپنے قانونی علم کی بنا پر اس مسئلے کو صرف قانونی نقطہ نظر سے دیکھا ہے جب کہ اس کا تعلق دین اور ایمان سے ہے۔ دین کو درجوں میں نہیں بانٹا جاسکتا۔ یہ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے، ایک اٹل اور مربوط تشخص، شعائر اور عمل پر قائم ہے اور اس عقیدے میں سمایا ہوا ہے جو قرآن اور سنت نے ہمیں دیا ہے، نہ تو ہم قرآن کو سنت سے الگ کرسکتے ہیں، نہ سنت کو قرآن سے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض احکام عمل کے لحاظ سے فرائض کا درجہ رکھتے ہیں اور بعض سنت اور نوافل کا۔ کچھ میں مسلکی اختلافات بھی ہیں لیکن یہ کسی طرح بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں سے ایک طریقہ اسلامی ہے اور دوسرا غیر اسلامی۔ عمل کرنے کے لئے کسی پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا جاتا اور نہ ہی ڈالا جاسکتا ہے چاہے نماز کی طرح وہ فرض ہی کا درجہ کیوں نہ رکھتا ہو۔ ہمیں ایسا کرنے سے منع بھی کیا گیا۔ صرف تلقین کی جاسکتی ہے اور بس۔ اب داڑھی کے مسئلے کو ہی لے لیجئے۔ بہت سے لوگ داڑھی نہیں رکھتے جس میں خود فاضل مضمون نگار بھی شامل ہیں۔ کیا وہ خود یا کوئی دوسرا یہ کہہ سکتا ہے کہ انہیں اس کے لئے کبھی مجبور کرنے کی کوشش کی گئی؟ نہیں اور بالکل نہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ تو معاملہ صاف عیاں ہے۔ کسی حالت میں انہیں ہمارے دین کو قبول کرنے یا کسی شعائر کی پابندی کرنے کے لئے زبردستی نہیں کی جاسکتی چاہے طاقت اور حکومت ہمارے ہاتھ ہی میں کیوں نہ ہو۔ ہمارا کام صرف انہیں پیغام پہنچانے تک محدود ہے۔

مسلمانوں کا دین کے احکام پر عمل ان کے دینی لگاؤ اور ایمان کی پختگی پر انحصار کرتا ہے۔ یہ نہ تو دکھاوے کے لئے ہے اور نہ کسی دباؤ کی وجہ سے۔ اس سے صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جو جتنا عمل کرے گا دینی نقطہ نظر سے اس کا درجہ اتنا ہی بڑھتا جائے گا۔ احکام اور شعائر کی مثال سیڑھی کی سی ہے۔ چڑھتے جائیں اور درجات بلند ہوتے جائیں سب سے اونچا مقام ''احسان'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ اللہ سے قربت کا سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ اور اسے کوئی بھی حاصل کرسکتا ہے جو خود کو اس کا اہل ثابت کردے۔ ایک دوسری بات بھی اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ جو لوگ دین کے کچھ احکام کی پیروی نہیں کرتے وہ اسے غیر ضروری اور بے کار نہیں سمجھتے اور نہ ہی اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ شاید ان کی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں۔ جو ان کے درمیان حائل رہتی ہیں۔ مخالفت اور مذاق اڑانے کو وہ خود بھی کسی حال میں پسند نہیں کرتے اور ایسا کرنے والوں کے خلاف آواز بلند کرنے اور احتجاج کرنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں۔ ان کی یہ حالت اپنوں کے ساتھ ہوتی ہے غیر کے ساتھ تو وہ اور بھی سخت رویہ اختیار کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

داڑھی بھی مسلمانوں کا ایک دینی شعار اور تشخص کا ایک جز ہے۔ داڑھی رکھنے والے کی عزت ہوتی ہے اور نہ رکھنے والوں کی کسی طرح کی ملامت نہیں کی جاتی۔ کیونکہ ایسا کرنے والوں نے خود اپنے آپ کو دین کے اسی مقام پر رکھنا پسند کیا ہے۔ یہ بات بھی سب کے جاننے کی ہے کہ مسلمانوں کی داڑھی دوسروں کی طرح بے قاعدہ نہیں ہوتی بلکہ ایک خاص وضع اور قطع کی حامل ہوتی ہے اور اسلامی تشخص کی پہچان بھی ہے جو دور سے ہی عیاں ہوجاتی ہے اور آدمی کے مسلمان ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے برعکس بغیر داڑھی کے مسلمان کی پہچان ذرا مشکل ہی سے ہوتی ہے اور محفلوں میں ان کی شخصیت گم ہوکر رہ جاتی ہے۔ الا یہ کہ کسی دوسری علامت سے شناخت ہوجائے۔

داڑھی سے متعلق جسٹس کاٹجو کی باتیں صرف الفاظ کے بودے پن کے حد تک ہی محدود نہیں بلکہ جس انداز اور لہجے میں کہی گئی ہیں وہ بہت کچھ انکشاف کررہی ہیں۔ یہ پورے اسلامی شعائر پر حملہ تصور کیا جائے گا اور طالبان سے جوڑ کر گویا انہوں نے درپردہ دہشت گردی کا الزام بھی عائد کردیا ہے اس سے بڑھ کر انہوں نے مسلم خواتین کے اسلامی تشخص کو بھی نشانہ بنایا ہے جو کسی بھی نقطۂ نظر سے درست نہیں کہا جاسکتا۔ یہ کسی عام شہری کی زبان سے نکلی ہوئی کوئی معمولی بات نہیں بلکہ ملک کی سب سے اونچی عدالت کی کرسی پر بیٹھے جج کی زبان کی ہے۔ جو کسی نجی گفتگو میں نہیں بلکہ انصاف کی کرسی پر بیٹھنے کی حالت میں ایک مقدمے کے فیصلے میں اصل نقطے سے ہٹ کر ملک کے ایک مذہبی گروہ پر حملے کے طور پر پورے عدالتی مجمع کے سامنے کہی گئی ہے۔ جس کی خوب خوب تشہیر اخبار اور میڈیا نے کی اور مخالف مجلسوں اور گروہوں میں جشن کا ماحول پیدا کردیا۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں جس کا نوٹس نہ لیا جائے اور اہمیت نہ دی جائے۔ زبان سے نکلے ہوئے چند جملے ان کی پوری ذہنیت کی عکاسی کررہے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی بتارہے ہیں کہ اس مریضانہ ذہنیت کے سوتے کہاں کہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ اور ملک میں کس طرح ملت اسلامیہ چاروں طرف سے گھر چکی ہیں۔ اس کا نوٹس لینا ضروری تھا اور ہے۔ کسی طرح ہمارے احتجاج کو غیر قانونی نہیں کہا جاسکتا۔

مضمون نگار نے عدلیہ اور اس کے فیصلے کے خلاف احتجاج کے نقصان دہ نتیجے سے ڈرانے کی بھی بات کی ہے اور پورے مسئلے کو خلط ملط کرنے کی سعی نامشکور کررہے ہیں۔ ہم جج کے فیصلے کے خلاف نہیں بلکہ فیصلے سے ہٹ کر ان کے بے تکے ریمارک (Remark) کے خلاف احتجاج کررہے ہیں۔ گرچہ ہم ان کے فیصلے سے بھی پوری طرح مطمئن نہیں۔ ملک کے دستور نے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کا ہر ایک شہری کو حق دیا ہے اور کسی ادارے کو یہ حق نہیں کہ خود ساختہ دستور سے اس حق کو سلب کرنے کی کوشش کرے۔ لہٰذا عدلیہ کے بعض فیصلے جو خصوصاً ہمارے دین سے ٹکراتے ہوں ان پر احتجاج کرنے کا حق ہمیں حاصل ہے۔ اور ہم نے ایسا کیا بھی ہے۔ کیا فاضل مضمون نگار شاہ بانو کیس میں عدالت عالیہ کے فیصلے کو بھول گئے جس میں ہم نے کامیابی کے ساتھ احتجاج کیا۔ جس طرح جسٹس کاٹجو نے ہمارے شعائر پر حملہ کیا ہے اور جس مقام پر رہ کر کیا ہے وہ کسی طرح درست نہیں اس سلسلے میں خود چیف جسٹس اور حکومت ہند کو اپنا موقف واضح کرنا چاہئے۔ مسلم دینی جماعتوں اور مسلم پرسنل لاء بورڈ نے اس معاملے میں بالکل صحیح اقدام کیا ہے۔ بورڈ کے سکریٹری مولانا ولی رحمانی کی قیادت میں ایک وفد نے وزیر قانون سے مل کر اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے اور اپنی شکایت درج کرائی ہے۔ وزیر موصوف کی طرف سے مناسب اقدام کی

باقی صفحہ ۸ پر

گرونانک اور مسلم شخصیات کے باہمی روابط

تبسم کاشمیری

گرونانک صاحب کو سکھ دھرم کے پیروکار اپنا پہلا گرو مانتے ہیں اور اس ناطے دُنیا کے تمام سکھ ان کی نہایت عزت واحترام کرتے ہیں لیکن مسلمان بھی گرونانک کی عزت کرتے ہیں۔ اسلام تمام مذاہب کی شخصیات کا احترام کرنا ضروری قرار دیتا ہے۔ احترام آدمیت، امن وآشتی، پیار ومحبت اور صبر ورضا کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام میں بھید بھاؤ چھوت وچھات، سوشل بائیکاٹ، دل آزاری وشنام طرازی، یاوہ گوئی، غیبت، تشدد، دہشت گردی وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے چونکہ مشہور شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال گرونانک کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

بت کدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا
نور ابراہیم سے آزر کا گھر روشن ہوا
پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مرد کامل نے جگایا خواب سے

''بانگ درا''

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں گرونانک کے لئے یہ محبت اور پیار کیوں پیدا ہوا؟ اس کا اصلی سبب وہ پریم تھا جو نانک جی کو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ تھا گرونانک محبت کے تعلق سے فرماتے ہیں:

وھات ملے پھن وھات کو لو لو کو دھاوے

(یعنی محبت اور پریم کے نتیجہ میں ہی محبت اور پیار پیدا ہوا کرتا ہے) گرونانک کے اس سنہری اصول کے بارے میں ایک سکھ اسکالر لکھتے ہیں کہ ''میں سمجھتا ہوں کہ گرو نانک صاحب کا مذہب ملاپ اور ایکتا کا مذہب تھا، اس لئے انہوں نے اسلام کی تعلیم میں وہ کچھ دیکھا جو دوسرے غیر مسلموں کو بہت کم دکھائی دیتا تھا۔ گرو کو مسلمانوں سے ملاپ کرنے میں لطف آتا تھا شیخ فرید ثانی دس برس گرو صاحب کے ساتھ مل کر لوگوں کو اللہ کا راستہ بتاتے رہے۔ کئی جگہ کے ہندوؤں نے گرو صاحب کے مسلمانوں کے ساتھ گہرے میل جول کو برا منایا لیکن ایکتا کے اوتار نے اس کی بھی پرواہ نہ کی۔''

(بحوالہ ''موجی'' امرتسر ۱۸/جون ۱۹۳۹ء)

چونکہ گرونانک کو مسلمانوں کے ساتھ پیار کرنے میں لطف اور راحت محسوس ہوتی تھی اس لئے دنیا کے جس کونے میں نانک صاحب نے سفر کیا وہاں کے مسلمانوں نے عقیدہ اسلام کے عین مطابق دل کی گہرائیوں سے اُن کا استقبال کیا۔

نانک کا سفر مکہ شریف

نانک صاحب نے اپنی زندگی کے دوران دور دراز علاقوں کا سفر کیا ہے اس دوران انہوں نے مکہ شریف کا بھی سفر کیا، چنانچہ ایک مشہور سکھ اسکالر سردار من جیت سنگھ اس بارے میں یوں لکھتے ہیں: ''گروجی نے پورے ادب واحترام کے ساتھ مکہ کا سفر کیا۔ حج شروع کرنے سے قبل حاجیوں والی مریادا کی پابندی شروع کردی تھی جس کا ذکر بھائی گورداس جی نے اپنی واروں میں کیا ہے۔''

(بحوالہ ''سنت سپاہی'' امرتسر اکتوبر ۱۹۶۱ء)

نانک کا سفر بغداد شریف

نانک صاحب نے بغداد کا بھی سفر کیا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ سفر اپنے گرو فقیر مراد سے ملاقات کی غرض سے کیا۔ فقیر مراد ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ اس بارے میں ایک سکھ اسکالر یوں رقم طراز ہیں: ''شری بنسیر جی نے بغداد کے کسی پتھر کا حوالہ دے کر کتاب ''ایولیوشن آف دی خالصہ'' میں لکھا ہے کہ ست گرونانک دیو صاحب کا گرو ایک مسلمان فقیر تھا جس کا نام مراد تھا۔ یہ فقیر بغداد کا رہنے والا تھا۔ اس کی ملاقات کے لئے گورونانک دیو جی خاص طور پر بغداد گئے تھے۔'' (بحوالہ دھرم تے سداچار''ص:۱۳۱)

گیانی گیان سنگھ اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اکثر راست گو حاجیوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ یہاں (بغداد میں) ایک مکان بھی گرونانک صاحب کی یادگار میں بنا ہوا ہے، جس کو نانک پیر کے نام سے پکارتے ہیں اور وہاں پر عموماً لوگ اُن کو مسلمان پیر خیال کرتے ہیں۔'' (بحوالہ ''تواریخ گوروخالصہ'' ص:۴۵)

بغداد میں جس جگہ گرونانک کی یادگار ہے اُس تاریخی مکان کی از سر نو تعمیر کا کام ایک پاکستانی مسلمان جناب شریف حسین نے کیا۔ ''اپنے ملک کی شہرت کی بھولی بسری یاد کو تازہ کرنے کا فخر ملا تو ایک پاکستانی بیوپاری شریف حسین کو جس نے یہ عمارت تعمیر کرادی'' (بحوالہ ''خالصہ پارلیمنٹ گزٹ'' مارچ ۱۹۵۶ء)

اس واقعے کا ذکر رسالہ ''گوروسندیش'' (یمنا نگر پنجاب) دسمبر ۱۹۶۳ء اور سالہ ''گورمت پرکاش امرت'' نومبر ۱۹۶۳ء کے شماروں میں کیا گیا ہے۔

چھوت چھات سے نفرت

سکھ اسکالروں کی یہ رائے ہے کہ نانک صاحب نے اسلامی ممالک کے سفر کے دوران کسی قسم کے بھید بھاؤ سے کام نہیں لیا اور نہ ہی کسی قسم کی چھوت چھات اختیار کی۔ نانک صاحب نے تو چھوت چھات کی مذمت کی ہے۔ اُن کا مشن احترام آدمیت اور پیار ومحبت کا تھا۔ اس سلسلے میں ایک سکھ اسکالر لکھتے ہیں: ''تیسرے سفر کے دوران عرب، ایران، افغانستان وغیرہ اسلامی ممالک میں گرو صاحب نے تقریباً تین برس گزارے، تین سال کی روٹیاں ہندوستان سے پکا کر اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے تھے۔''

(بحوالہ ''دھرم تے سداچار'' ص:۶۱)

اورنگ زیب نے نانک صاحب کے مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر کھانے پینے کے متعلق یوں گواہی دی ہے: ''گرونانک صاحب نے اسلامی ممالک میں کئی سال پھر کر مسلمانوں کے ساتھ محبت پیدا کی، ان کے ساتھ کھاتے رہے، انہوں نے چھوت چھات اور نفرت کو دور کیا۔''

(بحوالہ ''تواریخ گوروخالصہ'' ص:۷۹۲)

شرپسندوں کا پروپیگنڈا

بعض شرپسندوں کا خیال ہے کہ نانک صاحب نے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کی ہے لیکن تاریخی واقعات کی روشنی میں یہ بات بالکل غلط ہے، یہ سب شرپسند لوگوں کا پروپیگنڈا ہے۔ اگر نانک صاحب نے اسلام کی مخالفت کی ہوتی تو اس وقت کے مسلمانوں نے اُن کا احترام نہ کیا ہوتا جب کہ آج تک کے مسلمان اُنہیں احترام سے یاد کرتے ہیں۔ اس بارے میں ایک سکھ اسکالر لکھتے ہیں: ''آپ نے اسلام کے خلاف کہیں ایک لفظ بھی بیان نہیں کیا، روزے رکھنا یا نمازیں پڑھنا آپ برا نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ آپ ہر ایک نمازی کو نماز پڑھتے وقت دل کی حضوری کی تلقین کیا کرتے تھے اور اسے سمجھ ہونی چاہئے کہ نماز پڑھنے کا مقصد کیا ہے'' (حوالہ ''خالصہ پارلیمنٹ گزٹ'' اپریل ۱۹۵۸ء) ایک اور سکھ اسکالر ڈاکٹر شیر سنگھ جی لکھتے ہیں: ''گرونانک صاحب کے روحانی گرو صاحبان کے بھی مسلمان صوفی فقیروں سے بہت گہرے تعلقات رہتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت، ذکر الٰہی، سماع کی بھلائی خدا تعالیٰ کی حمد بیان کرنا، لنگر، سدابرت لگانا سکھوں میں بھی نظر آجائیں گی، تمام مذاہب کا احترام ہر ایک مذہب کے بزرگ کی عزت کرنا اور پیغمبروں اور رسولوں کا ادب دوسرے کے عقائد اور خیالات کو برداشت کرنا گرو نانک کی تعلیم اور صوفیاء کے مذہب میں ہم شکل ہیں۔''

(بحوالہ ''گورمت درشن'' ص:۱۴۷)

گروجی اور مسلم بزرگان اور صوفی منش اکابر کے ساتھ نہایت قریبی اور خوشگوار تعلقات رہے ہیں۔ شیخ فرید ثانی جن کو سکھ لٹریچر میں شیخ برہم کا نام بھی دیا گیا ہے، اُن کو بابا صاحب کے ساتھ بہت محبت اور خلوص تھا۔ شیخ فرید ثانی نے متعدد بار نانک صاحب سے ملاقات کی۔ ایک دفعہ جب شیخ فرید اُن سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو نانک صاحب سے یوں کہا: ''بھائی صاحب! آیئے آج خدا ہم پر مہربان ہوا ہے جو آپ کا دیدار ہوا ہے، تو دونوں نے اُٹھ کر دست بوسی کی اور بیٹھ گئے۔'' (بحوالہ ''جنم ساکھی بالا'' ص:۱۰۱)

اسی طرح ایک اور مسلمان فقیر نے اپنی ساری عمر نانک صاحب کی خدمت میں گزاری۔ مردانہ نامی اس مسلمان کو گروداس جی نے نانک صاحب کا سفروں کا ساتھی قرار دیا ہے کیونکہ انہوں نے نانک صاحب کے ہر سفر میں اُن کا ساتھ دیا تھا۔ گروداس جی نے اس بارے میں یوں لکھتے ہیں:

بابا گیا بغداد نوں باہر جائے کیا استھاناں
اک بابا اکال روپ دوجا ربابی مردانہ

(بحوالہ وار اپوڑی ص:۳۵)

یعنی بابا صاحب جب بغداد گئے تو باہر ہی قیام کیا اُس وقت بابا صاحب کے ساتھ مردانہ بھی تھا۔ سکھوں کی کتابوں کے مطابق نانک صاحب نے مردانہ کو اپنے بھائی کا رُتبہ دے دیا تھا۔ مردانہ سالہا سال تک نانک صاحب کے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر مشکل اور لمبے سفروں میں ساتھ رہے پھر جب ان کی وفات ہوئی تو نانک صاحب نے اپنے ہاتھوں سے اُن کے کفن دفن کا انتظام کیا۔ اس کا ذکر مشہور سکھ اسکالر پروفیسر نے ''مکمل تواریخ گوروخالصہ'' میں کیا ہے۔ اسی طرح مشہور بزرگ ولی قندھاری کے ساتھ نانک صاحب کے انتہائی قریبی تعلقات تھے۔ چنانچہ نانک صاحب اُن کے بارے میں یوں فرماتے ہیں: ''بھائی مردانہ! یہ ولی قندھاری ہمارا پرانا دوست ہے۔ ولی قندھاری کی معرفت سینکڑوں روحیں نجات پائیں گی کیونکہ ولی قندھاری نے گورو کا رُتبہ پایا ہے۔'' (''جنم ساکھی بالا'' ص:۴۷۹)

اوپر مذکور بزرگوں کے علاوہ نانک صاحب کے پیر عبدالرحمٰن اُبارے خان، میاں مٹھا، میر سید حسن بابا بڈھن شاہ، شاہ شرف، پیر جلال وغیرہ کے ساتھ نہایت گہرے تعلقات تھے۔ سکھ لٹریچر میں ان تمام بزرگوں کا ذکر آیا ہے۔

مسلمان بزرگوں کے ضمن میں تلونڈی (پنجاب) کے ایک مسلمان جاگیر دار رائے بولار صاحب کا ذکر نہایت ہی اہم ہے۔ نانک صاحب کے والد کالوجی تھے وہ سردار رائے بولار صاحب کے جاگیروں کے چیف ایڈمنسٹریٹر تھے۔ سردار رائے بولار نانک صاحب سے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے نانک صاحب کے والد نے اُنہیں کچھ رقم تجارت کرنے کی غرض سے دی لیکن نانک صاحب نے یہ ساری رقم غریبوں، محتاجوں اور بھوکوں میں تقسیم کردی۔ جب کالوجی نے یہ بات سنی تو انہیں بہت غصہ آیا۔ سردار رائے بولار صاحب تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے کالوجی کو بلا کر کہا کہ کیوں نانک صاحب سے ناراض ہوئے اور اُن پر غصہ کیا، ساتھ ہی کالوجی سے یہ بھی کہا کہ ''جب میں نے تم کو حکم دے رکھا ہے کہ جو کچھ نانک خرچ کریں وہ تم میرے خزانے سے لیا کرو لیکن اس کو کچھ نہ کہنا پھر تو نانک پر کیوں ناراض ہوتا ہے کیا کہوں تو نانک کا باپ ہے نہیں تو ابھی تجھ کو سزا دوں۔''

(بحوالہ ''تاریخ گوروخالصہ'' ص:۶۳)

سردار ہوشیار سنگھ نے اس گفتگو کو یوں لکھا ہے: ''رائے بولار نے کہا کہ کالو! تو نانک کو تنگ نہ کیا کر میں جانتا ہوں کہ یہ کوئی ولی ہے اگر تجھے روپے کی ضرورت ہے تو مجھ سے لے جا''

(بحوالہ ''اتہاس سکھ گوروصاحبان'' ص:۱۵)

دعوت

۱۰ رمئی ۲۰۰۹ء

ذہنیت نہیں بدلی ہے؟

ملک کو آزاد ہوئے اب باسٹھ برس پورے ہونے کو ہیں اور آئین کو نافذ ہوئے ۵۹ برس پورے ہو چکے ہیں۔ آئین میں اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ قانون کی نظر میں ملک کا ہر شہری برابر ہوگا اس کا تعلق خواہ کسی بھی علاقے سے ہو، وہ کوئی زبان بولنے والا، ہو کسی بھی مذہب پر عمل کرتا ہو اگر وہ انڈین یونین کا شہری ہے تو برابری کے درجے پر فائز ہے، قانون شہریوں کے درمیان امتیاز نہیں برتے گا، آئین کی ایک دوسری ضمانت یہ بھی ہے کہ ہر کسی کو یکساں مواقع فراہم کئے جائیں گے، نہ کسی کو کم نہ کسی کو زیادہ، دستور کی ایک تیسری ضمانت یہ بھی ہے کہ جو لوگ (سماجی طبقات) کسی بھی وجہ سے معاشی لحاظ سے کمزور ہوں گے ریاست کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ ان کی کمزوری کو دور کرے، اس کے لئے مناسب قدم اٹھائے۔

یہ دستوری ہدایت اس بنا پر دی گئی کیوں کہ ہندوستانی سماج صدیوں سے طبقوں میں منقسم چلا آرہا تھا اور اس تقسیم کو ایک مذہبی حیثیت بھی حاصل ہوگئی تھی، یہ ایک الگ بحث کا موضوع ہے، جس سے فی الحال یہاں سروکار نہیں ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستانی سماج ذات پات کی بنیاد پر بٹا ہوا تھا، آزادی کے وقت بھی یہی کیفیت تھی، اگر بات صرف سماجی درجہ بندی تک ہی محدود رہتی تو شاید لوگ حالات سے سمجھوتہ کر لیتے مگر ایسا نہیں تھا بلکہ اس سماجی تقسیم اور درجہ بندی کو تفریق اور امتیاز اور استحصال کا ذریعہ بنایا گیا، جو صدیوں سے یہاں رائج ہے، جو لوگ اس کا شکار چلے آرہے ہیں انہوں نے تاریخ کے نئے مختلف ادوار میں سر اٹھایا اور اس کے خلاف آواز اٹھائی مگر ہر بار ان کو کچل دیا گیا اور ان کی آواز کو دبا دیا گیا۔ حالات کی اصلاح کی کوئی معتبر کوشش کبھی نہیں ہوئی اور تاریخ کے کسی عہد میں اگر اس کی کوشش کی بھی گئی تو وہ اس لئے دیرپا ثابت نہیں ہوسکی کیونکہ ایک تو دبی کچلی ہوئی آبادی اس تبدیلی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی اور دوسرے جن لوگوں پر اس تبدیلی کی وجہ سے ضرب پڑ رہی تھی انہوں نے اس کی صورت کو بگاڑنے کی بھرپور کوشش کی اور اس کو غلط معنیٰ پہنچائے، یہی وجہ ہے کہ یہ صورتحال کسی نہ کسی شکل میں آزادی کے وقت بھی قائم رہی اور آج تک قائم ہے۔

ذات پات اور اونچ نیچ کی یہ لعنت نہ صرف آج بھی موجود ہے بلکہ اس درجہ پیوست ہو چکی ہے کہ اس کو نکالنا آسان کام نہیں ہے۔ اس کو پیوست رکھنے کے انتظامات بھی کئے گئے ہیں۔ اس کے مظاہر آئے دن دیکھنے کو ملتے رہتے ہیں۔ ان دبے کچلے ہوئے لوگوں کو آج بھی سماج میں وہ درجہ حاصل نہیں ہے جو انہیں ملنا چاہئے، وہ آج بھی دلت کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ آج بھی وہی بھید بھاؤ ہے جو قدیم زمانے میں تھا۔ حالانکہ آزادی کے وقت سے ہی ان کو اونچا اٹھانے کی ''کوششیں'' ہو رہی ہیں۔ ان کے لئے مختلف قسم کے رعایتیں رکھی گئی ہیں، ان رعایتوں سے یہ تو ہوا ہے کہ وہ پڑھ لکھ گئے ہیں۔ ان کی معاشی حالت میں بھی کچھ فرق آ گیا ہے، وہ ملازمتوں میں بھی آگئے ہیں۔ اقتدار میں بھی ان کی شرکت محسوس کی جانے لگی ہے، لیکن سماج میں ان کی پہچان اسی دلت کی ہے، ان میں سے کچھ لوگوں کے بلند ہو جانے، متمول اور خوشحال ہو جانے سے عام دلتوں کی پوزیشن میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا ہے اور خود ان متمول اور خوشحال دلتوں کی سماجی حالت میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی تعلیمی اداروں میں ان کے بچوں کو نیچی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ انہیں خوار سمجھا جاتا ہے۔ کچھ ظاہری فرق تو آیا ہے لیکن ان کے تئیں سماج کے دوسرے طبقات کا رویہ آج بھی وہی ہے۔ لہٰذا اسکولوں میں آج بھی ان کے بچوں کو اعلیٰ ذات والوں کے بچوں سے دور رکھا جاتا ہے۔ تازہ ترین واقعہ مدھیہ پردیش کا ہے۔ جہاں سے مرکزی حکومت کو یہ شکایتیں موصول ہوئی ہیں کہ اسکولوں میں دلت طلبہ کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ جو نسل پرستانہ منافرت پر مبنی ہے۔ فروغ انسانی وسائل کی مرکزی وزارت نے اس معاملہ کی جانچ کا حکم دیا ہے۔ اس کی جانچ بھی ہو جائے گی اور رپورٹ بھی مرکز کو مل جائے گی۔ اس کی بنیاد پر ممکن ہے کارروائی بھی ہو جائے لیکن اس طرح کی کارروائیوں سے ذہنیت کو نہیں تبدیل کیا جاسکتا، حالات کی اصلاح تو اس وقت ممکن ہے جب ذہنیت کو تبدیل کیا جائے۔

انتخابی عمل کے اختتام کے پیش نظر افہام وتفہیم کا دور شروع ہوگیا

◎

عام انتخابات کے اختتام کے قریب پہنچنے کے ساتھ ہی حکومت سازی کے لئے صف بندی کا عمل بھی تیز ہوتا جا رہا ہے۔ حکومت سازی کے دعویدار اتحاد اور جماعتیں ایک طرف تو اپنی کامیابی کی دعوے کر رہی ہیں تو دوسری طرف انہیں خود بھی اپنے دعوؤں پر مکمل یقین نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نئے سرے سے اپنے اتحادیوں اور ہم کار جماعتوں کا جائزہ لے رہی ہیں۔ ایک دوسرے کے اتحاد میں دراندازی کا عمل بھی زوروں پر ہے۔ دو بڑے اتحاد یو پی اے اور این ڈی اے نے انتخابات سے قبل بلند بانگ دعوے کئے تھے اور اپنے اپنے اتحاد کا مختلف مواقع پر مظاہرہ بھی کیا تھا لیکن انتخابات کے قریب آتے ہی ان کا شیرازہ بکھر گیا۔ ہر پارٹی اپنے ذاتی مفاد، بقاء اور طاقت پر توجہ دینے لگی۔ ہر ایک کی کوشش یہ تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ سیٹیں حاصل کرلے جس کے لئے اتحاد میں شامل دوسری جماعتیں تیار نہیں تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ کل تک ہم پیالہ اور ہم نوالہ رہی جماعتیں ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوگئیں۔ لیکن اب انتخابات کی گرد تھمنے کے قریب آگئی ہے اور صرف دو مرحلے باقی بچے ہیں۔

چوتھے مرحلے میں آٹھ ریاستوں کی جن پچاسی پارلیمانی نشستوں کے لئے انتخابات ہوں گے ان میں راجستھان کی پچیس، اُتر پردیش کی اٹھارہ، مغربی بنگال کی سترہ، ہریانہ کی دس، دہلی کی سات، پنجاب کی چار، بہار کی تین، نشستیں شامل ہیں۔ اس مرحلے میں ووٹروں کی تعداد نو کروڑ چھیالیس لاکھ پینتالیس ہزار تین سو سترہ ہے۔ اُمیدواروں کی مجموعی تعداد ایک ہزار تین سو پندرہ ہے جس میں ایک سو انیس خواتین شامل ہیں۔ راجستھان میں تین سو چھیالیس مرد اور تیرہ خواتین، اتر پردیش میں تین سو چودہ مرد اور چھتیس خواتین، ہریانہ میں دو سو دس مرد اور چودہ خواتین، دہلی میں ایک سو ساٹھ مرد اور اٹھارہ خواتین، مغربی بنگال میں ایک سو چونتیس مرد اور گیارہ خواتین، پنجاب میں اُناسی مرد اور تین خواتین، بہار میں ستاون مرد اور چار خواتین، جموں وکشمیر میں پندرہ مرد اور دو خواتین میدان میں ہیں۔

اس مرحلے میں سب سے زیادہ امیدوار نئی دہلی کے حلقہ سے ہیں جن کی تعداد اکتالیس ہے۔ دہلی ہی کے چاندنی چوک سے چالیس اور ہریانہ کے ہسار سے اڑتیس اُمیدوار ہیں۔ سب سے زیادہ چھ خواتین امیدوار گوتم بدھ نگر اور بلند شہر سے میدان میں ہیں۔ چوتھے مرحلہ میں سب سے زیادہ بہوجن سماج پارٹی کے بیاسی امیدوار ہیں۔ بی جے پی اور کانگریس کے ستر امیدوار ہیں۔ مارکسوادی کمیونسٹ پارٹی نے اکیس، بھارتیہ کمیونسٹ پارٹی نے آٹھ، راشٹروادی کانگریس پارٹی نے چھ اور راشٹریہ جنتا دل نے دو اُمیدوار میدان میں اُتارے ہیں۔ علاقائی پارٹیوں نے ایک سو چوبیس اُمیدوار کھڑے کئے ہیں۔ سب سے زیادہ سماج وادی پارٹی کے اُمیدوار ہیں جن کی تعداد اڑتالیس ہے۔ اس کے بعد لوک جن شکتی پارٹی کے امیدوار ہیں جن کی تعداد اٹھارہ ہے۔ رجسٹرڈ پارٹیوں کے تین سو تیئس اُمیدواروں کے علاوہ چھ سو نو آزاد اُمیدوار بھی اپنی قسمت آزما رہے ہیں۔

پانچویں اور آخری مرحلے کے لئے تیرہ مئی کو انتخابات ہوں گے جس میں نو ریاستوں کی اڑتالیس پارلیمانی نشستوں کے لئے ووٹ ڈالے جائیں گے۔

انتخابی گرد تھمنے کے ساتھ ہی سیاسی جماعتوں کو ایک طرف تو اپنی حقیقت اور واقعی پوزیشن کی فکر ہے تو دوسری طرف اس وسطی سیاست کا احساس بھی ہے جو انہوں نے انتخابات کے دوران کی ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف سخت ترین بیان بازی، ہتک آمیز الفاظ کا استعمال اور ذاتی کردارکشی کے علاوہ بھی بہت کچھ اخلاقی اقدار کو پامال کرتے ہوئے باتیں کہی گئیں ہیں۔ انتخابات کے دوران تو تقریباً سبھی جماعتوں نے اس طرح کے الفاظ کا استعمال کیا اور زیادہ سے زیادہ عوام کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اب انہیں خدشہ یہ ہے کہ ان کی یہ کوشش حکومت سازی کے عمل میں کہیں رکاوٹ نہ بن جائے، اس کے لئے ابھی سے تلافی مافات کی کوششیں شروع کر دی گئی ہیں۔ وہ پارٹیاں جو ایک دوسرے کے خلاف زہر اُگلتی تھیں، اب انہیں ایک دوسرے میں خوبیاں نظر آرہی ہیں۔ اسے ابن الوقتی اور مفاد پرست سیاست کے علاوہ کیا اور کوئی نام دیا جاسکتا ہے اور کیا اصولوں کی سیاست اسی کو کہتے ہیں۔

●●

پاکستان کے جوہری ہتھیار محفوظ ہیں / مائیکل مولن

واشنگٹن۔ امریکی مسلح افواج کے سربراہ مائیکل مولن نے کہا ہے کہ پاکستان کے جوہری ہتھیار محفوظ ہیں اور ان کے دہشت گردوں کے ہاتھوں میں چلے جانے کا امکان نہیں ہے۔

جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کے چیئرمین ایڈمرل مائیکل مولن نے پیر کے روز (۴ رمئی کو) پنٹاگون میں کہا ہے کہ واشنگٹن نے حالیہ برسوں میں پاکستان کے جوہری اسلحہ خانے کی سیکورٹی بہتر بنانے کے لئے اس ملک کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔ مولین نے کہا کہ انہیں اس بارے میں اطمینان ہے کہ پاکستانی فوج خطرے کو سمجھتی ہے اور وہ جوہری تنصیبات کی حفاظت کر رہی ہے۔ لیکن انھوں نے کہا کہ طالبان جنگجوؤں اور دہشت گردوں سے پاکستان کے جوہری ہتھیاروں کی سیکورٹی کو جو خطرہ درپیش ہے، وہ واشنگٹن اور اسلام آباد کے لئے ایک باعث تشویش معاملہ ہے۔ اخبار نیویارک ٹائمز نے پیر کے روز کہا ہے کہ بارک اوباما انتظامیہ اس بارے میں پریشان ہے کہ پاکستان میں باغی کسی جوہری ہتھیار پر قبضہ کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں یا وہ اپنے ہمدردوں کو لیبارٹری یا ایندھن سازی کی تنصیبات میں گھسا سکتے ہیں۔

خطا کار حاکموں کو بھی عبرتناک سزائیں ملنی چاہئیں

◎

حکومت برطانیہ نے اپنے ملک کے لئے لیڈروں، دانشوروں اور عوام سب کو ایک بے بنیاد دستاویز کے سہارے سے پروپیگنڈے کے ذریعہ گمراہ کر کے عراق پر حملہ کیا تھا، یہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہے۔ اس وقت کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر کو اس بنیاد پر اقتدار سے محروم اور معزول ہونا پڑا تھا۔ اس وقت نئی بات یہ ہوئی ہے کہ برطانیہ کی سکریٹ انٹلی جنس سروس یا ایم ۱۶ کے سابق ڈپٹی ڈائریکٹر نائجل انکسٹر نے انسٹی ٹیوٹ فار پبلک پالیسی ریسرچ میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ برطانیہ کو ایک متنازعہ دستاویز کا سہارا لے کر عراق کی جنگ میں ''گھسیٹا'' گیا جو کہ کسی بھی طرح کوئی اچھا فیصلہ نہیں تھا۔ ڈاؤننگ اسٹریٹ کی تیار کردہ دستاویز میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ عراق عام تباہی کے ہتھیار ۴۵ منٹ کے اندر استعمال کرنے کے لئے تیار ہے۔ اس دعویٰ کو ۲۰۰۳ء میں عراق پر حملہ کے لئے وجہ جواز بتایا گیا تھا۔ نائجل انکسٹر نے خارجہ دفتر پر اس معاملہ میں کمزوری دکھانے کا الزام بھی لگایا ہے کہ اس نے برطانیہ کو ایک ایسی جنگ میں پھنس جانے دیا جس کے بارے میں افسران کو سنگین شکوک وشبہات تھے۔ سکریٹ انٹلی جنس سروس کے سابق ڈپٹی ڈائریکٹر نے کہا ہے کہ خارجہ آفس نے خارجہ پالیسی کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری سنجیدگی سے انجام نہیں دی۔ اس نے محض برطانیہ کے متعدد محکموں کے پلیٹ فارم کے طور پر کام کیا۔ اس نے دنیا بھر میں ہماری حکمت عملی کے لحاظ سے جائے وقوع کے سلسلے میں شعور کا پوری طرح استعمال نہیں کیا۔ عراق کی جنگ میں برطانیہ کو گھسیٹنا ہمارے مفاد کے خلاف تھا۔ یاد رہے کہ برطانیہ نے گزشتہ ہفتہ عراق میں اپنے چھ سالہ آپریشن کو باقاعدہ طور پر ختم کر دیا۔ جس میں اس کے ۱۷۹ فوجیوں کو اپنی جانیں گنوانی پڑی تھیں۔

سکریٹ انٹلی جنس سروس (ایس آئی ایس) کے سابق ڈپٹی ڈائریکٹر نے اپنی تقریر میں افغانستان میں جاری مشن پر بھی تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ برطانیہ ایک ایسے ایجنڈے کو پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو اپنے آپ میں مضحکہ خیز اور بالکل بیہودگی پر مبنی ہے۔ اور اس کا ہدف حاصل کرنے کے لئے جو وسائل مہیا کئے گئے تھے ان سے کئی گنا زیادہ صرف ہو چکے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا پر امریکہ پولیس کی طرح مسلط ہے وہ پوری دنیا کو پولیس بن کر چلا رہا ہے جس کی وجہ سے پوری دنیا میں عدم استحکام کی صورتحال پیدا ہو رہی ہے جس کا یہ نتیجہ برآمد ہوسکتا ہے کہ ساری آبادیاں مذہبی اور قومی تحریکوں کے جال میں پھنس سکتی ہیں۔

عراق پر حملہ کا جو فیصلہ برطانیہ نے کیا تھا اس کے باشندوں کو اس کی زبردست قیمت چکانی پڑی ہے۔ بات صرف ۱۷۹ فوجیوں کے مرنے کی ہی نہیں ہے، نہ ہی اس کو کافی قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس وقت کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر کو اقتدار سے محروم اور معزول ہونا پڑا تھا۔ ٹونی بلیئر اور ان کے مشیروں نے جو خواب دیکھے تھے وہ بھی پورے نہیں ہوئے اس کی نہ صرف ساکھ خراب ہوئی بلکہ اقتصادی لحاظ سے بھی بہت کچھ نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔ برطانیہ میں جو بم دھماکے یا دہشت گردانہ جیسی کارروائیاں ہوئی ہیں ان کے بارے میں تو ابھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا رہا ہے کیونکہ حکومتوں کے دعوے تو خود اپنے آپ میں مضحکہ خیز اور بے بنیاد وجھوٹے حتیٰ کہ سازشی منصوبے بھی ثابت ہو چکے ہیں ساتھ ہی برطانیہ اور اس اتحاد میں شامل ملکوں کے حکمرانوں اور عوام کو جس دہشت زدگی سے دوچار رہنا پڑ رہا ہے اس کے بھی بہت دور رس اثرات برآمد ہوں گے۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ تو یہ ہے کہ اس حملہ اور حملہ آور اتحاد کی بین الاقوامی سرکاری دہشت گردی وجارحیت کے عراق وافغانستان آج تک شکار بنے ہوئے ہیں اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کی اموات، زخم خوردگی، جسمانی طور پر معذوری اور خود ملکوں کی تباہی کی تلافی محض اقتدار سے محرومی ومعزولی اور تنقید سے تو نہیں ہو جاتی، جب کہ قتل عام، حملوں تباہی وبربادی گولیوں، راکٹوں اور بموں کی بارش بین الاقوامی دہشت گردی وجارحیت کا سلسلہ آج بھی رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ جب کہ یہ سارا اتحاد، اس کی کارروائی اور اس کی منصوبہ بندی امریکہ اور برطانیہ ہی کے حکمرانوں کے دماغوں کی پیداوار اور اپج تھی۔ ایسے حکمرانوں کو ''اپنا'' کے تصور کی بنیاد پر بخشا نہیں جانا چاہئے۔ اقوام متحدہ نے بھی اس سلسلہ میں ان دہشت گرد وجارح ملکوں کے سامنے سجدہ ریزی کا جو رول ادا کیا ہے یقیناً وہ بھی قابل مذمت ہے۔ نہ صرف امریکہ، برطانیہ بلکہ یورپی یونین اور اقوام متحدہ حقوق انسانی کی بہت دہائی دیتے ہیں انہیں انسانیت دشمن حکمرانوں کو انسانوں کے اجتماعی قتل کی قرار واقعی اور عبرت آمیز سزا دینے کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہئے۔

●●

پاکستان ناکام ریاست نہیں ہے / ہالبروک

واشنگٹن۔ اوباما انتظامیہ نے پاکستان میں جمہوری حکومت کا ساتھ دینے کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان میں اقتدار کی باگ ڈور فوج کے ہاتھوں میں دینا بہت بڑی غلطی ہوگی اور امریکہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ افغانستان اور پاکستان کے لئے خصوصی امریکی ایلچی رچرڈ ہالبروک نے منگل (۵ رمئی) کو امریکی ایوان نمائندگان اور خارجہ امور کی کمیٹی کے اراکین کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ واشنگٹن نے تمام فریقین پر کھلم کھلا اور نجی طور پر بھی یہ بات واضح کر دی ہے کہ پاکستان میں فوج کے ہاتھ میں اختیارات جانا غلط ہوگا۔

اوباما انتظامیہ کا یہ اعلان پاکستان کی موجودہ حکومت اور ایک ملک کی حیثیت سے پاکستان کے مستقبل کے بارے میں امریکی کانگریس کی بڑھتی ہوئی تشویش کے پس منظر میں سامنے آیا ہے۔ امریکی کانگریس کے کئی اراکین نے پاکستان کی صورتحال پر انتہائی تشویش ظاہر کی تھی اور کہا تھا کہ پاکستان کے وجود کو خطرہ ہے لیکن حکومت جاگ نہیں رہی۔

رچرڈ ہالبروک کے انہی ریمارکس کے پس منظر میں امریکہ کے دورے پر پہنچے ہوئے پاکستانی صدر آصف علی زرداری نے منگل کو کانگریس کے کچھ اراکین سے ملاقات کی۔ واشنگٹن میں بی بی سی کے برجیش اپادھیائے نے بتایا ہے کہ رچرڈ ہالبروک کو کانگریس کے اراکین اور خارجہ امور کی کمیٹی کے ممبران کے تلخ اور غصے سے بھرے ہوئے کئی سوالوں کا جواب دینا پڑا۔ ہالبروک نے کہا کہ پاکستان شدید دباؤ میں ہے مگر پاکستان ناکام ریاست نہیں ہے۔

ایوان نمائندگان کے رکن گیری ایکرمین نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں آگ لگی ہوئی ہے اور پاکستان کے رہنما یہ آگ بجھانے کی بجائے اس سوچ پر گامزن ہیں کہ اگر جہادیوں کو اکیلا چھوڑ دیا جائے تو یہ آگ خود بخود بجھ جائے گی۔ ایک رکن نے مطالبہ کیا کہ پاکستان کو امریکی امداد اس شرط پر دی جائے کہ پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو پوچھ گچھ کے لئے امریکہ کے حوالے کرے۔ دوسرے ممبر کا کہنا تھا کہ ایف سولہ طیاروں کی بکری پر بھی شرائط عائد کی جائیں۔ رچرڈ ہالبروک نے اپنے جواب میں کہا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ امریکہ پاکستان میں جمہوریت کا بھرپور ساتھ دے اور صدر زرداری کے ساتھ نظر آئے تاکہ پاکستان میں جمہوری استحکام آسکے۔ انھوں نے صدر زرداری کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ پاکستانی صدر طالبان کے ساتھ سوات معاہدے کے خلاف تھے اور انہیں نظام عدل کی دستاویز پر دباؤ میں دستخط کرنے پڑے۔ رچرڈ ہالبروک نے ان افواہوں کی بھی تردید کی کہ امریکہ صدر زرداری کی جگہ مسلم لیگ کے قائد نواز شریف کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔

کیا مزید امریکی فوج افغان مزاحمت ختم کرسکتی ہے؟

ثروت جمال اصمعی

افغانستان کی صورتحال کو امریکہ کی مرضی کے مطابق ڈھالنے کے لئے صدر اوباما کا نسخہ کیمیا مزید امریکی فوج کی ترسیل ہے۔ اس ستم رسیدہ ملک کو بارک حسین اوباما تحفے کے طور پر اپنے اکیس ہزار فوجیوں کا پارسل بھیج رہے ہیں۔ وہائٹ ہاؤس فروری کے وسط میں پنٹاگون کو یہ حکم دے چکا ہے۔ اس میں سترہ ہزار سپاہی بھیجنے کے لئے کہا گیا تھا مگر مارچ کے آخر میں صدر اوباما نے ''بگڑتی ہوئی صورت حال'' پر قابو پانے کے لئے چار ہزار امریکی فوجیوں کو افغان سپاہیوں کی تربیت کے لئے بھیجنے کا اعلان بھی کیا ہے۔ اس طرح مجموعی تعداد اکیس ہزار بنتی ہے۔ امریکہ کی ۳۸ ہزار فوج افغانستان میں پہلے سے موجود ہے۔ گویا مزید فوج بھیج کر اس تعداد کو پچاس ہزار تک بڑھایا جا رہا ہے۔ جبکہ ناٹو ملکوں کی فوج اس کے علاوہ ہے۔ مگر کیا اس طرح اس سرزمین پر امریکہ کے دائمی قبضے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے؟

اس بارے میں کسی نتیجے تک پہنچنے کے لئے تھوڑا سا پیچھے دیکھنا ہوگا۔ ۲۰۰۵ء میں برطانیہ کے لیفٹننٹ جنرل ڈیوڈ رچرڈز نے جو اس وقت جنوبی افغانستان میں ناٹو افواج کے کمانڈر تھے، قندھار اور ہلمند کے صوبوں میں شورش کو کچلنے کے لئے افواج میں اضافے اور طوفانی کارروائی (Surge) کا یہی نسخہ تجویز کیا تھا جس پر اب صدر بارک حسین اوباما عمل کر رہے ہیں۔ جنرل رچرڈز کا دعویٰ تھا کہ بہت جلد ''طالبان میرے اشاروں پر رقص کرنا شروع کر دیں گے''۔ یہ بات انھوں نے ۱۶ رستمبر ۲۰۰۶ء کو طالبان کے خلاف نئی طوفانی مہم کے آغاز پر کہی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ طالبان کو شکست دینے میں تین سے پانچ سال لگیں گے۔ لیکن فارن پالیسی ان فوکس نامی امریکی تھنک ٹینک کی ایک تازہ ترین تجزیاتی رپورٹ کے مطابق اس دعوے کو تین سال کی مدت گزر جانے اور اس دوران اتحادی فوج کی تعداد کے چار گنا سے زیادہ بڑھ جانے کے باوجود قندھار طالبان کے گھیرے میں ہے اور ہلمند ملک کا سب سے خطرناک صوبہ بن چکا ہے۔ جبکہ امریکی اور اتحادی افواج کابل کو بچانے کے لئے پریشان ہیں۔

برطانوی وزارت خارجہ کے ایک سابق افسر روری اسٹیوارٹ نے ۲۲ رنومبر ۲۰۰۸ء کو نیویارک ٹائمز میں ''اچھی جنگ لڑے جانے کے قابل نہیں ہے'' کے عنوان سے اپنے ایک تجزیے میں لکھا تھا کہ ''۲۰۰۶ء میں جب افواج میں اضافے کا فیصلہ کیا گیا تھا تو وہاں کوئی مقامی بغاوت نہیں تھی''۔ فارن پالیسی ان فوکس کے تجزیہ کار Conn Hallinan اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ ''درحقیقت یہ جارحانہ مہم اور اس کے نتیجے میں شہریوں کی ہلاکتیں، موجودہ تحریک مزاحمت کو مہمیز دینے کا سبب بنیں۔ جب یہ مہم شروع ہوئی تو ملک کا ۵۴ فیصد علاقہ طالبان کے کنٹرول میں تھا مگر آج یہ تناسب ۷۲ فیصد تک پہنچ چکا ہے اور اس میں اضافہ ہو رہا ہے''۔ امریکی تھنک ٹینک کے فاضل تجزیہ کار نے اپنے حکمرانوں سے کہا ہے کہ اگر وہ اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ پچاس ہزار امریکی اور پچاس ہزار ناٹو افواج مل کر افغانوں کی مزاحمت ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی تو انہیں جلد از جلد اس سے باہر آجانا چاہئے اور ویت نام میں عوامی مزاحمت کے ہاتھوں اپنی افواج کا ذلت آمیز انجام یاد کرنا چاہئے۔ صرف ۶۷ ہزار مربع میل اور دو کروڑ سے کم آبادی والے اس ملک میں امریکہ کی پچاس ہزار فوج کو شرمناک ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ جبکہ سنگلاخ زمینوں کے ملک افغانستان کا رقبہ ویت نام کے مقابلے میں تقریباً چار گنا اور آبادی لگ بھگ ڈیڑھ گنا ہے۔ ڈھائی لاکھ مربع میل پر پھیلے ہوئے اور سوا تین کروڑ آبادی والے اس ملک پر مستقل تسلط کا خواب اوباما اکیس ہزار مزید فوج بھیج کر کسی طرح پورا نہیں کر سکتے۔ امریکہ کے لئے مزید پریشانی کی بات یہ ہے کہ اس کے ناٹو اتحادی اب اپنی افواج کی تعداد بڑھانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ پولینڈ میں ناٹو کے حالیہ اجلاس میں یورپی ملکوں نے امریکی اور برطانوی وزرائے دفاع رابرٹ گیٹس اور جان ہٹن کی دلیلوں کے باوجود یہ بات واضح کر دی ہے کہ وہ افغانستان میں مزاحمت کو کچلنے کے لئے کسی نئی طوفانی مہم میں شریک نہیں ہوں گے۔ فنانشیل ٹائمز کے آن لائن ایڈیشن میں ۲۰ رجنوری کو شائع ہونے والی رائے عامہ کے جائزوں پر مشتمل ایک رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ ساٹھ فیصد جرمن، ۵۷ فیصد برطانوی، ۵۳ فیصد فرانچ اور ۵۳ فیصد اطالوی مزید فوج افغانستان بھیجنے کے مخالف ہیں۔ اس طرح امریکہ کے لئے آنے والے دنوں میں افغانستان میں مشکلات بڑھنے کے امکانات بہت واضح ہیں۔ امریکہ کو خاک نشیں افغانوں کے مقابلے میں اس صورتحال کا سامنا اس لئے ہے کیونکہ افغانستان پر اس کی فوج کشی کی کوئی اخلاقی بنیاد نہیں ہے۔ امریکہ نے اپنی استعماری پالیسیوں کے ذریعے پوری دنیا میں اپنے لئے نفرتوں کی فصل کاشت کی ہے اور اب اس کے کڑوے پھل بہر صورت اس کا مقدر ہیں۔

نیپال: صدر کے دفتر کو نوٹس

کاٹھمنڈو۔ نیپال کے سپریم کورٹ نے صدر رام برن یادو کے سکریٹریٹ کو نوٹس جاری کر کے دس دنوں کے اندر یہ بتانے کو کہا ہے کہ ماؤ نواز حکومت کے ذریعہ برطرف کئے جانے کے بعد آرمی چیف کو صدر نے دوبارہ کیوں بحال کیا۔ عدالت نے آرمی چیف جنرل رکمنگد کٹوال کو ان کے عہدے پر بنے رہنے کی صدر رام برن یادو کی ہدایت کو چیلنج کرنے والی ایک پٹیشن کی سماعت کرتے ہوئے یہ نوٹس جاری کیا۔

فکر معاصر

بیزاری کیوں؟

ہندوستان کی آزادی کو ۶۲ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے موجودہ لوک سبھا انتخابات سے پہلے ۱۴بار لوک سبھا کے انتخابات ہوچکے ہیں اس بار پندرہویں لوک سبھا کے لئے ووٹ ڈالے جارہے ہیں جس کے تین مرحلے مکمل ہوچکے ہیں دو مرحلے باقی ہیں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت سب سے زیادہ مضبوط ہے اور یہاں کے عوام جمہوری قدروں کا سب سے زیادہ احترام کرتے ہیں لیکن صورتحال اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس کی مثال لوک سبھا انتخابات کے تین مرحلوں میں دیکھنے میں آئی جب کہ پچاس فیصد لوگوں میں اپنے حق رائے دہی کے استعمال کا کوئی جذبہ نہیں تھا کہ کوئی دلچسپی نہیں دکھائی دی۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ آزادی کے ۶۲ سال گزر جانے کے بعد عوام جمہوریت کے معنی اور مطلب سمجھتے، شوق سے ووٹ دینے جاتے، اچھے سے اچھا اپنا لیڈر چنتے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہے۔ زیادہ تر دیکھنے میں یہی آیا کہ بالخصوص اس مرتبہ لوگوں کو ووٹ دینے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جو ووٹ نہیں دیتے، وہ ووٹ نہ دینے کے جواز بھی پیش کرتے ہیں بیزاری کی وجہ بھی بتاتے ہیں ظاہر ہے کہ بغیر اسباب کے کوئی چیز ہوتی نہیں اگر اسباب ہیں تو پھر یہ ضرور ہوگا کہ یہ اسباب کیوں پیدا ہوئے کیوں کہ انسانوں کے عوامل ہی اسباب کو پیدا کرتے ہیں آخرایسی کیا وجہ تھی کہ لوگوں کو حق رائے دہی سے دلچسپی نہیں رہی جب کہ ہندوستان کی آزادی کے پچیس تیس برسوں تک یہ حال تھا کہ جب الیکشن کا زمانہ آتا تھا تو لوگ جشن مناتے تھے خوشی کا اظہار کرتے تھے ظاہر ہے کہ اس بات کی خوشی ہوتی تھی کہ ان کے ووٹ سے حکومتیں بنتی ہیں صدیوں کی غلامی کے بعد ان کو یہ حق حاصل ہوا تھا کہ لیکن آج وہ بات نہیں ہے سیاسی پارٹیوں کے تمام لیڈروں کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ آخر دلچسپی کیوں ختم ہوگئی ظاہر ہے کہ سر جوڑ کر بیٹھیں گے اور غور کریں گے تو کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور نکلے گا لیکن جو کچھ سامنے نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے لیڈر عوام کا احترام کرتے تھے اور حکومت کو عوام کے حق میں بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرتے تھے لیکن اب صورتحال بدل چکی ہے۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ انتخابات میں کامیاب ہو اور اس کی دولت اور شوکت میں اضافہ ہو وہ اتنی رقم کمالے کہ باہر کے ملکوں میں جمع کرسکے اور یہی سب کچھ ہوتا رہا اربوں کھربوں روپیہ ہندوستانی لیڈروں کا باہر کے ملکوں میں موجود ہے وہی پیسہ اگر عوام کی فلاح وبہبود پر خرچ کیا جاتا تو آج عوام اس بات کی شکایت نہ کرتے کہ انہیں بجلی نہیں ملتی، پانی نہیں ملتا، سڑکیں ٹوٹی ہوئی ہیں، رہنے کے لئے مکان نہیں، کھانے کے لئے کھانا نہیں، بچوں کا کوئی مستقبل نہیں، جن کے ووٹ سے حکومت بنتی ہے ان کے بچے اسکول نہیں جاسکتے لیکن جو اقتدار میں جاتے ہیں ان کے بچے غیرممالک میں پڑھتے ہیں۔

صاف ظاہر ہوا کہ ذاتی مفادات کے لئے جمہوریت کا عوام کا اقتدار کا ملک کا قوم کا سب کا استعمال کیا گیا۔ اس صورت میں عوام اپنے حقوق سے محروم رہے۔ عوام بھی خوب اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ لیڈر اپنا اُلو سیدھا کررہے ہیں اس لئے وہ آسانی سے ووٹ ڈالنے نہیں جاتے جو حالات اس وقت ہیں جیسے شب وروز گزر رہے ہیں اگر غور وفکر کرنے کے بعد ان میں تبدیلی نہ لائی گئی تو یقینی طور پر سولہویں اور سترہویں لوک سبھا کے انتخابات میں کوئی ووٹ ڈالنے نہیں جائے گا اور اس وقت پھر اس بات پر غور کیا جائے گا کہ مرکز میں حکومت کس طرح بنائی جائے ظاہر ہے کہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اور جمہوری نظام میں عوام ہی سب سے بڑی طاقت ہیں وہی حکومت بناسکتے ہیں۔

(انوار قوم، کانپور)

وزارت عظمیٰ کی اُمیدواری ایک نئی بحث

سید تنویر احمد، ڈائریکٹر بک ویژ

گزشتہ دنوں بی جے پی کے قائد اور سینئر صحافی ارون شوری نے ایک نامہ نگار کے سوال کا جواب دیتے ہوئے گجرات کے چیف منسٹر نریندر مودی کو آڈوانی کے بعد بی جے پی کا وزیراعظم کے عہدے کے لئے اُمیدوار کہہ کر ایک نئی بحث چھیڑدی ہے۔ ابتداء میں بی جے پی کے دیگر سینئر لیڈران نے اسے شوری کی اپنی ذاتی رائے قرار دیا تاہم جوں جوں دن گزرتے جارہے ہیں اس پارٹی کے ہر بڑے لیڈر کو مودی میں مستقبل کا وزیراعظم نظر آنے لگا ہے۔ جب ان سے یہ سوال کیا جارہا ہے کہ آڈوانی کے جیتے جی ایسی کیا ضرورت پیش آئی کہ ان کا وارث ابھی تلاش کرلیا جائے تو اس پر وزیراعظم منموہن سنگھ کے اُس جواب کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ وزیراعظم نے بھی تو راہل گاندھی کو مستقبل کا وزیراعظم قرار دیا ہے۔

بہ ظاہر دونوں جماعتیں مودی اور راہل کے ناموں کو محض اتفاق یا کسی فرد کی رائے قرار دینے کی کوشش کررہی ہیں لیکن یہ ان دونوں جماعتوں کی حکمت عملی کا ایک اہم حصہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ ان دونوں شخصیات سے نوجوان نسل کو رجھانے کا کام لیا جارہا ہے۔ راہل کی شخصیت میں گاندھی پریوار اور ان کی عمر جہاں اہم عنصر ہیں تو دوسری جانب مودی کی شخصیت میں چرب زبانی، فولادی انداز اور ایک ڈکٹیٹر کی خصوصیات نوجوانوں کے ایک طبقہ کو متاثر کرسکتی ہیں۔ مودی کا نام شائد بی جے پی کی سوچی سمجھی حکمت عملی ہوسکتی ہے۔ ہندوستانی سماج کی نئی نسل میں ایک رجحان یہ بھی پنپ رہا ہے کہ ''جمہوریت وموریت'' کچھ کام نہیں کررہی ہے۔ اس سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس طرح سوچنے والے طبقہ کا یہ بھی خیال ہے کہ ملک کو اگر دس پندرہ برسوں کے لئے ایک ڈکٹیٹرل جائے تو سب کچھ بہتر ہوجائے گا۔ عام ذہن جب رشوت، حق تلفی، معاشی ناہمواری، غریبی، امیر وغریب میں بڑھتا فاصلہ دفتر شاہی اور سرخ فیتے کا راج اور اس طرح کی حکومتی سطح پر جاری برائیاں دیکھتا اور انہیں جھیلتا ہے تو وہ مجبوراً یہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس جمہوریت سے تو ڈکٹیٹر شپ بہتر ہے جو مودی کی شخصیت میں اسے نظر آتی ہے۔

ویسے بی جے پی کی آئیڈیالوجی کی بہت حد تک صحیح ترجمانی موجودہ بی جے پی کی صف اوّل میں نریندر مودی ہی بدرجہ اتم کرتے ہیں۔ یہ بات اب صیغہ راز میں نہیں ہے کہ بی جے پی کی سرپرست جماعت آر ایس ایس کے سامنے ہٹلر اور مسولینی محبوب آئیڈیل ہیں۔ آر ایس ایس کے بانیوں میں سے ایک ڈاکٹر بی ایس مونجے بھی تھے۔ مونجے حکومت برطانیہ کی دعوت پر ۱۹۳۱ء کی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئے تھے۔ لندن سے واپسی کے دوران انہوں نے مسولینی کے دارالخلافہ روم کا دورہ کیا اور وہاں انہوں نے ان ساری چیزوں کا باریک بینی سے مطالعہ کیا تھا جو ایک نظریے کو بہ زور نافذ کرنے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ مونجے نے ۱۹ر مارچ ۱۹۳۱ء کو اس مسولینی کے ملٹری کالج اور دو اہم تنظیموں کے دفاتر جس کا نام بلیلا Bilalla اور اونگردستی Avanguardisti تھا، حاضری دی تھی۔ آر ایس ایس اور بی جے پی کا جمہوریت اور سیکولرزم پر یقین ہمیشہ مشکوک رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے دستور میں بعض بنیادی ترمیمات اور دستور پر نظر ثانی کی بات کو بھی اٹھایا تھا۔ اور اس نے اپنے دور اقتدار میں اسی غرض کے تحت ایک کمیٹی تشکیل دی تھی۔ یہ باتیں دراصل بی جے پی کی اس دبی خواہش کو ظاہر کرتی ہیں کہ ہندوستان کو مطلق العنان سربراہ چاہئے۔

یہ تجربہ بی جے پی گجرات میں کررہی ہے۔ وہاں کے عوام کو اس نے ایسا نشہ پلایا ہے کہ وہ اب ڈکٹیٹر کے جام کے طلب گار نظر آتے ہیں۔ ۱۹۵۰ء عیسوی میں گجرات کے مہسانہ میں پیدا ہوئے مودی نے آر ایس ایس کی طلبہ تنظیم اے بی وی پی سے اپنے سیاسی سفر کا آغاز کیا۔ ایمرجنسی کے دوران روپوش ہوگئے۔ بی جے پی کے جنرل سکریٹری رہے اور ۲۰۰۱ء سے گجرات کے چیف منسٹر کی گدی پر براجمان ہیں۔ چیف منسٹر بننے کے ایک سال بعد ۲۰۰۲ء میں ہندوستان کی تاریخ کا ایک سنگین مسلم کش فساد ان ہی کی نگرانی میں ہوا۔ فساد کے دوران جب ان سے سوال کیا گیا تھا تو انہوں نے فساد کو حق بہ جانب ٹھہراتے ہوئے نیوٹن کے تیسرے کلیہ کو پیش کیا تھا کہ ''ہر عمل کا مساوی اور متضاد ردعمل ہوتا ہے۔'' اس بیان پر ایک مشہور جرنلسٹ ایڈوڈلوئس نے اپنی مشہور کتاب "In spite of the Gods" میں لکھا ہے کہ مودی کا مذکورہ بیان ''قاتلوں کو ہری جھنڈی'' دکھانے کے مماثل تھا۔ تقریباً ۹ سالہ راج کے دوران مودی نے گجرات کے ہر محکمہ میں بالخصوص پولیس میں جس طرح اپنی گرفت مضبوط کی ہے اس کی مثال دیگر ریاستوں میں کم ملتی ہے۔ الغرض بی جے پی کو گجرات میں تادیر حکومت کرنے کا ایک کامیاب ماڈل نظر آرہا ہے۔ جس کا سہرا بی جے پی مودی کو دیتی ہے اور اسی کامیاب ماڈل کو وہ سارے ملک پر چسپاں کرنا چاہتی ہے۔

بی جے پی نے شاید یہ تسلیم کرلیا ہے کہ وہ اب کے حکومت نہیں بناپائے گی۔ اس مضمون کو تحریر کرنے تک تیسرے مرحلے کی پولنگ ہوچکی تھی اور اندازہ یہ لگایا جارہا تھا کہ حکومت UPA کی بنے گی لیکن تھرڈ فرنٹ کا تعاون اسے لینا ہوگا۔ تشکیل پانے والی حکومت کتنی طاقتور ہوگی یہ کہنا مشکل ہے۔ چنانچہ ایک خیال یہ بھی ہے کہ شاید ملک کو ضمنی انتخابات کا سامنا کرنا پڑے۔ ایسی صورت میں بی جے پی کے کیمپ میں خوشی کی لہر دوڑ جائے گی۔ اس لئے کہ اس ہونے والے الیکشن میں مخالف اقتدار رجحان بھی کام کرے گا اور اس کے علاوہ دیگر عوامل بھی جب تک رونما ہوکر بی جے پی کو فائدہ پہنچائیں گے۔ ایسے ہی واقعات میں سے ایک گزشتہ دنوں سنائے گئے عدالت عالیہ کا فیصلہ بھی ہے۔ گجرات فسادات کی سماعت کررہی عدالت نے خصوصی تحقیقاتی ٹیم ایس، آئی، ٹی کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ ۲۰۰۲ء کے گجرات فسادات میں نریندر مودی کے ملوث ہونے کی تحقیقات کرے۔ قانون اور عدل کے حوالے سے یہ فیصلہ برحق ہے لیکن مودی اپنی ہر مخالف لہر کو اپنے حق میں کرلینے کی مہارت رکھتے ہیں۔ چنانچہ عدالت عالیہ کے مشورے کو انہوں نے الیکشن مہم میں خوب استعمال کیا اور گجرات کے لئے جیل جانے اور جان کی بازی لگادینے والے جیسے جذباتی فقروں کو کہا اور بڑے بڑے اشتہارات شائع کئے۔ اشتہارات میں لکھا تھا کہ ''دیش کے دوست کو جیل اور دیش کے دشمن کو رہائی'' یہاں اشارہ بوفورس معاملہ میں مبینہ طور پر ملوث قطروچی کی جانب تھا۔ یقیناً بی جے پی گجرات مسلم کش فسادات کی جانچ میں اس کے اپنے فوائد تلاش کرنے میں مصروف ہوگی۔ جس کا اندازہ مودی کے انداز بیان سے لگایا جاسکتا ہے۔ دوسری جانب ہمارے پڑوسی ملک میں طالبان کے بڑھتے اثرات مستقبل میں ہندوستان میں ایک ایسا ماحول کھڑا کرسکتے ہیں جس کا فائدہ نریندر مودی جیسے افراد کو ضرور ہوگا۔ لیکن ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ کیا آر ایس ایس کا برہمن واد مودی کو وزیراعظم کے طور پر تسلیم کرے گا؟ مودی کو غیر برہمن ہونے کے باوجود شاید آر ایس ایس قبول کرلے گی۔ بی جے پی میں سخت گیر موقف رکھنے والوں کا یہ خیال ہے کہ جب بی جے پی نے بابری مسجد کے حوالے سے سخت موقف اختیار کیا تھا تو وہ برسراقتدار آئی تھی۔ اب اسی طرح کے سخت گیر موقف کی ضرورت شاید وہ سمجھتے ہیں۔ چاہے ان کے پارٹنرس ان کے ساتھ رہیں یا نہ رہیں۔ جنتادل (یو) نے مودی کے مسئلہ پر واضح کردیا کہ وہ اس طرح کے رجحان کو پسند نہیں کرتی بلکہ نتیش کمار نے مودی کے ساتھ اسٹیج پر آنے سے بھی انکار کردیا تھا۔

سخت گیری اور فسطائی اصول بی جے پی کے سیاسی ''بولتا قاعدہ'' کا پہلا سبق ہے لیکن انہیں کون یہ بتائے کہ اس سے جہاں گیری چل نہیں سکتی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہٹلر مسولینی اور شاہ ایران کا کیا حال ہوا۔ خیر مودی کے مسئلہ کو وقتی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس پر سیکولرزم اور جمہوریت کا دعویٰ کرنے والی سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں کو اور بھی چست ہوجانے کی ضرورت ہے۔

●●

بحری قزاقوں سے باقاعدہ جنگ ناگزیر ہوچکی ہے

منظور جنجوعہ (پیرس)

یورپ اور امریکہ کو ایشیا سے ملانے کا مختصر ترین سمندری راستہ نہر سوئز سے ہوکر گزرتا ہے یوں یورپ اور امریکہ کو جانے والے جہازوں کو مجبوراً دنیا کے مصروف بحری روٹ صومالیہ سمندری حدود سے ہوکر ہی گزرنا پڑتا ہے۔ خلیج عدن میں دو سال قبل صومالیہ کی سمندری حدود میں بڑے بحری تجارتی جہازوں کو اغوا کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو رکنے میں نہیں آرہا ہے۔ صومالیہ کے بحری قزاقوں نے حالیہ دنوں میں مختلف ممالک کے چھ بحری جہازوں کو اغواء کیا۔ اب تک صومالوی قزاقوں نے امریکہ، برطانیہ فرانس، یونان، اٹلی، کینڈا، ہالینڈ، بلجیم، ناروے، انڈونیشیا، سعودیہ، ڈنمارک، جاپان، روس، لبنان، یوکرائن، اور فلپائن سمیت کئی ممالک کے سینکڑوں تجارتی بحری جہازوں کو نشانہ بنایا ہے۔

صومالیہ کے قزاق اسپیڈ بوٹس کے ذریعہ بحری جہازوں پر حملہ کرتے ہیں اور پوری مہارت سے رسیوں اور سیڑھیوں کی مدد سے بڑے بڑے جہازوں پر چڑھتے ہیں اور عملے اور جہاز کو اغواء کرکے اپنے مخصوص ٹھکانوں میں لے جاتے ہیں جہاں سے اپنے مطالبات پورے ہونے پر جہاز اور عملے کو رہا کرتے ہیں۔ ان قزاقوں کے پاس جدید اسلحہ، گلوبل پوزیشننگ سسٹم، سیٹلائٹ فون اور انٹرنیٹ کی سہولت اور بڑے جہازوں پر چڑھنے کی کمانڈو تربیت بھی موجود ہے۔ یورپی عسکری ماہرین کی رائے ہے کہ القاعدہ خلیجی ممالک، ایشیا، یورپ اور امریکہ کے درمیان سب سے بڑی سمندری راہداری کی اہمیت سے آگاہ ہے اور اس اہم ترین سمندری روٹ میں لوٹ مار کرکے القاعدہ اپنی مالی ضرورتوں کو پورا کررہی ہے۔ صومالیہ کے قزاقوں نے خلیج عدن کی سب سے اہم سمندری تجارتی راہداری تقریباً بلاک کردی ہے، ابھی تک طاقتور مغربی حکومتیں صومالیہ کے قزاقوں کے سامنے بے بس دکھائی دے رہی ہیں۔

چند ماہ قبل سعودی کمپنی کے ایک بڑے تیل بردار جہاز کو بھی ان ہی صومالی قزاقوں نے اغوا کرلیا تھا۔ سعودی حکومت کی مداخلت اور تاوان کی ادائیگی کے بعد جہاز اور عملے کو رہا کیا گیا تھا۔ حالیہ دنوں میں فرانس، یونان اور امریکہ کے بحری جہاز کو ان بحری قزاقوں نے اغوا کیا فرانسیسی کنٹینر بردار شپ اور عملے کی بازیابی کے لئے فرانسیسی نیوی فریگیٹ کے کمانڈوز نے ۱۷ر اپریل کو کینیا کے ساحل کے قریب بحری قزاقوں کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے گیارہ قزاقوں کو گرفتار کیا۔ یہ گرفتاریاں یورپی اٹلانٹک آپریشن کے دوران عمل میں آئیں۔ صومالیہ سے تعلق رکھنے والے ان گیارہ قزاقوں پر کینیا کی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ فرانسیسی نیوی نے ۲۰۰۸ء سے اب تک ۱۷ قزاقوں کو گرفتار کیا۔ تین کو آپریشن کے دوران ہلاک بھی کیا گیا۔ فرانسیسی کمانڈوز نے اس آپریشن میں پانچ میں چار فرانسیسیوں کو رہا کروایا۔ آپریشن میں ایک فرانسیسی اور دو قزاق ہلاک ہوئے۔ یورپی دفاعی ماہرین کا کہنا ہے کہ صومالیہ کے قزاقوں کی کارروائی میں تیزی اور تشدد میں اضافہ کا عنصر بڑھ رہا ہے۔ اگر ان قزاقوں کو نہ روکا گیا تو دوسرے سمندری حدود میں بھی یہ سلسلہ شروع ہوسکتا ہے۔ گزشتہ دنوں امریکی بحریہ کے ہاتھوں تین قزاق ہلاک ہوئے جس پر قزاقوں کے لیڈر عابدی نے امریکیوں سے بدلہ لینے اور امریکی پرچم والے جہازوں کو نشانہ بنانے کی دھمکی دی۔ اس دھمکی کو عملی جامعہ پہناتے ہوئے صومالیہ کے ساحلوں کے قریب سے گزر کر نہر سوئز کی طرف جانے والے کئی جہازوں کو راکٹوں اور بھاری مشین گنوں سے نشانہ بنایا جارہا ہے جس وجہ سے اس وقت دنیا کی اہم ترین سمندری تجارتی راہداری مکمل طور پر قزاقوں کے رحم وکرم پر ہے۔ امریکی بحری جہاز کے ایک کیپٹن رچرڈ فلپس امریکہ میں ہیرو بن چکے ہیں۔ اس کیپٹن اور ان کے کارگو جہاز Maersk Alabama کو قزاقوں نے اغوا کرلیا تھا۔ جہاز کے کیپٹن نے اس کیپٹن اور ان کے کارگو جہاز Maersk Alabama کو قزاقوں نے اغوا کرلیا تھا۔ جہاز کے کیپٹن نے بحری قزاقوں سے اس شرط پر خود کو ان کے حوالے کیا کہ تمام عملے کو چھوڑ دیا جائے اور انہیں سب کے بدلے میں اپنے پاس رکھ لیا جائے۔ سمندری قزاقوں نے جہاز کے کیپٹن کو قید میں رکھ لیا اور جہاز کے باقی عملے کو چھوڑ دیا۔ اس کیپٹن کی بازیابی کے لئے امریکی بحریہ کا جہاز یو ایس ایس بین برج صومالیہ کے ساحل پر قزاقوں کے خلاف کارروائی کے لئے گیا۔ جس نے کارروائی کرکے جہاز کے کپتان رچرڈ فلپس کو رہا کروایا۔ امریکی اور فرانسیسی اتھارٹیز کے مطابق گزشتہ دنوں اغوا کی دو کوششوں کو ناکام بنایا گیا۔ خلیج عدن میں بحری قزاقوں کی بڑھتی ہوئی کارروائیوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اپریل کے مہینے میں قزاقوں کی طرف سے ۱۸ سے زائد حملے کئے گئے ہیں۔ امریکی نیوی کی یہ تجویز ہے کہ اس سمندری حدود میں رات کے سفر کو بند کردیا جائے اور تمام جہاز دن کی روشنی میں یہاں سے گزریں۔

یورپ اور ناٹو کی فورسز اٹلانٹک کے نام سے آپریشن صومالیہ کے ساحل پر شروع کئے ہوئے ہیں۔ اس آپریشن میں حصہ لینے والے بحری جہاز سمندری حدود کی نگرانی کررہے ہیں۔ اس آپریشن میں کئی جنگی جہاز اور ہیلی کاپٹرز بھی حصہ لے رہے ہیں۔ اسی آپریشن کے نتیجے میں صومالی قزاقوں کے خلاف یونانی فریگیٹ پسارانے کامیاب کارروائی کے بعد اغوا شدہ یونانی جہاز اور عملہ بازیاب کروایا۔ حال ہی میں فلپائن کے ایک بحری جہاز اور اس کے ۲۳ ممبران کے عملے کو پانچ ماہ قید میں رکھنے کے بعد بھاری تاوان لے کر رہا کردیا گیا۔ فلپائنی عملے کی رہائی سے ایک روز قبل صومالیہ کے قزاقوں نے لبنان کے خوراک لے جانے والے اغوا کئے گئے بحری جہاز اور عملے کو کئی دن بعد ایک لاکھ ڈالر تاوان لے کر چھوڑا۔ آج بھی صومالوی قزاقوں کے پاس سولہ سے زائد مختلف اغوا شدہ بحری جہاز اور تین سو کے قریب عملے کے افراد قید میں ہیں۔ امریکہ کی یہ شدید خواہش ہے کہ کسی طرح صومالیہ میں القاعدہ سے ہمدردیاں رکھنے والوں کو کمزور کیا جاسکے اور حکومتی رٹ کو بحال کیا جاسکے لیکن امریکی نمائندے ریپ ڈونلڈ کی صومالیہ یاترہ کے باوجود کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوسکی۔ ناٹو کے ریئر ایڈمرل الیگزینڈر فرنانڈس قزاقوں کی بڑھتی کارروائیوں کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ ساحلی پٹی اور سمندر سینکڑوں ناٹیکل میل پر پھیلا ہوا ہے اس لئے ابھی تک قزاقوں کی کارروائیاں نہیں رک سکیں۔ کینیڈین نیوی کا ایک جہاز خلیج عدن میں سمندر کی نگرانی کے لئے شروع کئے گئے آپریشن میں حصہ لے رہا ہے۔ کینیڈین آرمی کے کمانڈوز نے حالیہ دنوں میں سات قزاقوں کو اس وقت گرفتار کیا جب وہ ایک بحری جہاز کو اغوا کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ کینیڈین آرمی نے قزاقوں کو گرفتار کرنے کے کچھ دیر بعد چھوڑ دیا۔ اس حوالے سے فوجی ترجمان کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی قوانین صومالیہ کے قزاقوں کو قید میں رکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ یورپی یونین کا کینیا کے ساتھ ایک معاہدہ حالیہ دنوں میں ہوا جس کی روشنی میں کینیا بحری قزاقوں کے خلاف مقدمات چلائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ فرانس نے گرفتار کئے گئے قزاقوں کو کینیا کے حوالے کیا ہے۔ فرانس اور کینیڈا کے برعکس امریکہ نے آپریشن کے دوران گرفتار کئے گئے ایک قزاق کو نیویارک میں عدالت میں پیش کردیا ہے۔ امریکہ کو بین الاقوامی قوانین کی کیا پروا ہے وہ جو چاہتا وہی قانون بن جاتا ہے۔ ڈنمارک، ہالینڈ اور بلجیم نیوی کے کمانڈوز صومالیہ کے ساحلی پٹی میں جاری آپریشن اٹلانٹک میں حصہ لے رہے ہیں۔ ڈنمارک کے کمانڈوز نے گزشتہ دنوں کارروائی کرکے صومالی قزاقوں کے قبضے سے بیس یمنی ماہی گیر رہا کروائے ہیں۔

ان ماہی گیروں کو قزاقوں نے اپنے اس بڑے جہاز پر سوار کیا ہوا تھا جس سے وہ تجارتی بحری جہازوں پر حملہ کررہے تھے اور اغوا کئے گئے ان ماہی گیروں کو بطور ڈھال استعمال کررہے تھے۔ امریکہ، ناٹو، یورپ، جاپان سمیت کئی دوسرے ممالک صومالیہ کے قزاقوں کے خلاف ایک بڑے آپریشن کی تیاری میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ اسی آپریشن کے پیش نظر جاپان مزید ایک سو پچاس فوجی اور دو مزید جنگی جہاز صومالیہ بھیجے گا۔ جاپان کی خواہش ہے کہ اس اہم سمندری راہداری کو تحفظ فراہم کیا جاسکے اور قزاقوں سے اس علاقے کو پاک کردیا جائے۔ فرانسیسی، بحریہ صومالی قزاقوں کے خلاف موثر کارروائی کے لئے خصوصی جہاز تیار کرنے پر کام کررہی ہے۔

یہ جنگی بحری جہاز جدید ٹیکنالوجی اور اسلحہ سے لیس ہوں گے جس سے قزاقوں، منشیات اور اسلحہ کے اسمگلروں کے خلاف کارروائی موثر انداز میں کی جاسکے گی۔ فرانسیسی بحریہ نے یہ منصوبہ خلیج عدن میں تجارتی جہازوں پر قزاقوں کے بڑھتے ہوئے حملوں کے پیش نظر تیار کیا ہے۔ خصوصی جنگی جہاز جدید جاسوسی آلات، ڈرون طیاروں سے لیس ہوں گے اور سریع الحرکت کشتیوں کو فوری طور پر تلاش کرسکیں گے۔ فرانسیسی پراجیکٹ ڈائریکٹر مارک بینارڈ نے پیرس میں صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ خصوصی جنگی جہاز تیزی کے ساتھ کارروائی کرتے ہوئے اپنے ہدف کو نشانہ بناسکیں گے جن پر آبی توپیں بھی نصب ہوں گی اور ان کے پلیٹ فارم کو ڈرون حملوں اور چوبیس گھنٹوں ہیلی کاپٹروں کی گشت کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ مستقبل قریب میں کئے جانے والے ممکنہ آپریشن کی تیاری کے لئے سویڈن مئی میں دو جنگی جہاز اور ایک مال بردار جہاز بھیجے گا۔ ہالینڈ اور ناروے بھی بحری جہاز بھیجیں گے۔ اس وقت یورپی نیوی کی طرف سے جو کمانڈو ایکشن جاری ہے اس میں جرمنی، اسپین، فرانس اور اٹالین نیوی کے کمانڈو حصہ لے رہے ہیں۔ یہ جہاز تمام تجارتی جہازوں کو محفوظ طریقے سے خلیج عدن سے نکلنے میں مدد دیتے ہیں اور سمندر کی نگرانی بھی کرتے ہیں۔ فرانسیسی اور اسپین کی ایئر فورس کے جنگی جہاز افریقی ملک جبوتی سے اڑ کر سمندر کی نگرانی کررہے ہیں۔ قزاقوں کے خلاف بیس سے زائد یورپی اور امریکی جنگی جہاز سمندر نگرانی کررہے ہیں۔ اس میں مزید اضافہ کرنے کے لئے مشترکہ کوششیں کی جارہی ہیں تاکہ قزاقوں سے علاقے کو پاک کیا جائے۔

امریکہ، یورپ اور ناٹو ممالک مل کر صومالی قزاقوں کے خلاف بڑی کارروائی کرنے کی پلاننگ میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ آنے والے مہینوں میں صومالیہ کے بحری قزاقوں کے خلاف بڑی بحری اور فضائی فوجی کارروائی کی جاسکتی ہے۔ رائٹر کی ۲۰ر اپریل کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ کا سرکاری موقف یہ ہے کہ امریکہ قزاقوں کے ٹھکانوں کو نشانہ بنانے کے لئے زمینی حملے کا ارادہ نہیں رکھتا کیونکہ قزاقوں کے ٹھکانے زیادہ تر دیہی آبادی میں ہیں زمینی کارروائی کی صورت میں سول آبادی کے جانی نقصان کا خطرہ ہے، البتہ محدود فضائی حملوں کو امریکہ نے رد نہیں کیا۔ امریکہ اور اتحادی ممالک کی تمام تر تیاریوں اور عسکری وبحری قوت اور جدید ساز وسامان ٹیکنالوجی کے باوجود بحری قزاق اپنی کارروائیوں میں دن بدن اضافہ کررہے ہیں وہ ناٹو اور امریکی نیوی کے حرکت میں آنے سے قبل ہی کارروائی کرکے واپس اپنے محفوظ ٹھکانوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ صومالیہ جیسے ملک میں بھوک سے ستائے ہوئے لوگوں میں قزاقی ایک فیشن ایبل پیشہ بن چکا ہے جس میں دولت کی فراوانی اور شہرت ہے۔ انہیں اپنے پسندیدہ پیشے سے پیچھے ہٹانا صرف طاقت کے بل بوتے پر ممکن دکھائی نہیں دیتا۔

●●

''سوائن فلو کا زور ٹوٹ گیا''

عالمی ادارہ صحت یا ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے حکام نے کہا ہے کہ میکسیکو سے شروع ہونے والے سوائن فلو کو انسانوں میں پھیلنے سے روکنے میں کسی طرح کی تساہلی نہیں برتی جاسکتی ہے، تاہم ادارے کے مطابق اب اس مرض کے پھیلنے کا زور ٹوٹ رہا ہے۔

عالمی ادارہ صحت یا ڈبلیو ایچ او کے مطابق تازہ ترین اعداد وشمار کی رو سے دنیا کے ۲۰ ملکوں میں نو سو سے کچھ زیادہ لوگ سوائن فلو سے متاثر ہوئے ہیں۔ تاہم شمالی امریکہ کے ممالک کے علاوہ سوائن فلو کے مسلسل پھیلنے کے آثار نہیں ملے ہیں۔

ڈبلیو ایچ او کے ڈائریکٹر مائیکل رائن نے کہا ہے کہ سوائن فلو کے مسلسل پھیلنے کے کوئی آثار نہیں ملے ہیں اور صورتحال شاید اتنی خراب نہیں جتنا پہلے سوچا جارہا تھا۔ ڈبلیو ایچ او کے ڈائریکٹر نے یورپی ممالک کے سوائن فلو کے خطرے سے نمٹنے کی تعریف کی۔ عالمی ادارہ صحت کے ہی ایک اور اہلکار ڈگ ٹومسن کے مطابق شمالی امریکہ سے باہر اس وباء کے پھیلنے کا اندازہ بکھرا بکھرا سا ہے۔

ادھر میکسیکو نے سوائن فلو سے مرنے والے افراد کی تعداد کم کردی ہے۔ حکام نے کہا ہے کہ سوائن فلو سے مرنے والوں کی تعداد ۱۰۱ ہے۔ اس سے پہلے میکسیکو حکومت نے سوائن فلو سے مرنے والوں کی تعداد ۱۷۶ بتائی تھی۔ میکسیکو کے وزیر صحت نے کہا کہ سوائن فلو سے مرنے والوں کی تعداد عام حالات میں فلو سے مرنے والوں کی تعداد سے بہت زیادہ نہیں ہے۔

میکسیکو نے سوائن فلو کے پھیلاؤ کو روکنے کی کوشش میں چھ دن کے لئے ملک کے بیشتر کاروباری شعبوں کو بند کررکھا ہے۔ اطلاعات یہ ہیں کہ چھ دنوں تک بند رہنے کے بعد میکسیکو میں ہوٹل اور دوسرے کاروباری ادارے کھل گئے ہیں، اور اب اس کی وجہ سے معیشت پر پڑنے والے منفی اثرات پر قابو پانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کے حکام اب یہ کہتے نظر آرہے ہیں کہ اس کی وجہ سے معیشت پر برا اثر نہیں پڑنا چاہئے جو پہلے ہی سے خستہ ہے تاہم عالمی معیشت کو اس سے متاثر ہونے سے روکا نہیں جاسکتا۔ ڈبلیو ایچ او نے اینٹی وائرل دوائیوں کی چوبیس لاکھ خوراکیں بہتر ملکوں کو بھجوائی ہیں۔ میکسیکو کے علاوہ پانچ ممالک میں سوائن فلو ایک انسان سے دوسرے کو منتقل ہوا ہے۔

اقوام متحدہ کی تنظیم برائے صحت نے سوائن فلو کے خطرے کی سطح پر پانچ رکھی ہوئی ہے جو عالمی سطح پر فلو کے وباء بننے سے صرف ایک درجہ کم ہے۔ پانچویں درجے کا مطلب ہے کہ فلو کم سے کم دو ملکوں میں انسان سے انسان تک منتقل ہورہا ہے۔

●●

چھوٹے سے گاؤں میں رہنے والی سارا اوباما کو کینیا کے عیسائی زبردستی بپتسمہ دینا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کی مداخلت پر تقریب ملتوی کردی گئی۔ اوباما کی دادی نے حج پر جانے کی پیشکش قبول کرلی۔ امریکی اخبار کو انٹرویو میں کہا کہ وہ اسلام اور عیسائیت دونوں پر کاربند ہیں۔

ایک معزز افریقی خاتون کے عقیدے کا مسئلہ مسلم عیسائی کشمکش کو ہوا دینے لگا

ودیا ساگر

کینیائی اور امریکی میڈیا نے اپنی رپورٹوں میں تصدیق کی ہے کہ امریکی صدر بارک حسین اوباما کی دادی اس سال معروف عرب تاجر اور ''ہائیڈرا پراپرٹیز'' کے چیف ایگزیکٹیو ڈاکٹر سلیمان الفہیم کی دعوت پر حج کا فریضہ انجام دیں گی۔ یہاں یہ امر واضح رہے کہ امریکی صدر بارک حسین اوباما کی دادی نے حج کی دعوت قبول کرنے کے بعد امریکی اخبار یو ایس ٹوڈے کے نمائندے کو ایک خاص انٹرویو میں واضح کیا ہے کہ وہ حج کی دعوت قبول تو کر رہی ہیں لیکن یہ واضح کردینا چاہتی ہیں کہ وہ ایک کٹر عیسائی ہیں اور امریکی عوام اور دنیا بھر کی اس غلط فہمی کو دور کردینا چاہتی ہیں کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ امریکی صدر بارک حسین اوباما کی دادی سارا اوباما کی جانب سے حج کی دعوت قبول کئے جانے کے حوالے سے ابوظہبی کے معروف اخبار ''نیشنل پوسٹ'' سے منسلک صحافی ٹام اسپنڈر (Tom Spender) کا کہنا تھا کہ کینیا کے ایک غیر معروف گاؤں میں مقیم سارا اوباما کو ابوظہبی کے ہائیڈرا پراپرٹیز کمپنی کے چیف ایگزیکٹیو سلیمان الفہیم کی جانب سے اس سال نومبر میں حج کی ادائیگی کے لئے دعوت دی گئی ہے جس کو انھوں نے خوش دلی سے قبول کرلیا ہے۔ سلیمان الفہیم کا کہنا ہے کہ وہ سارا اوباما کو اپنے ساتھ، اپنے اخراجات پر حج پر لے جائیں گے۔ ڈاکٹر سلیمان الفہیم نے چندروز پہلے ہی کینیا کا دورہ کیا تھا اور انھوں نے اس موقع پر اوباما کی دادی سے ملاقات کی تھی اور انہیں اپنے ساتھ اس سال نومبر کے مہینے میں عالم اسلام کے سب سے بڑے اجتماع میں شرکت کی دعوت دی تھی، جسے سارا اوباما نے قبول کیا ہے۔ صحافیوں سے بات چیت میں ابوظہبی کے ہائیڈرا پراپرٹیز کمپنی کے چیف ایگزیکٹیو سلیمان الفہیم کا کہنا تھا کہ ان کی والدہ حیات نہیں ہیں، اس لئے انھوں نے فیصلہ کیا کہ میں، سارا اوباما کو جنھیں کینیائی باشندے ''ماما سارا'' کے نام سے بلاتے ہیں، کو حج پر اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اپنی دلچسپ رپورٹ میں صحافی ٹام اسپنڈر کا کہنا تھا کہ ۸۰ سالہ سارا اوباما کینیا اور یوگنڈا کی سرحد پر موجود ایک ننھے سے گاؤں کوگیلو (Kogelo) میں رہتی ہیں جہاں پانی دور ندی سے بھر کر لانا پڑتا ہے اور بجلی جیسی چیز سے وہ آج بھی ناآشنا ہیں۔ سارا، عربی یا انگریزی بھی نہیں بول سکتیں۔ لیکن وہ ایک خوش مزاج اور غریب پرور خاتون ہیں جو اپنے پوتے امریکی صدر بارک اوباما کی جانب سے اور عالمی امدادی کمپنیوں کی جانب سے ملنے والی تمام امداد کینیائی غرباء میں تقسیم کردیتی ہیں۔ سارا اوباما نے معروف کینیائی اخبار ''کینیا ڈیلی'' سے بات چیت میں کہا کہ انھوں نے ڈاکٹر سلیمان الفہیم کی جانب سے دی جانے والی حج کی دعوت قبول کرلی ہے اور اگر ممکن ہوا تو وہ حج کو مکمل طور پر ادا کرنے کی کوشش کریں گی۔ سارا اوباما کا کہنا تھا کہ انھوں نے اس سے پہلے کبھی بھی حج ادا نہیں کیا ہے اور سنا ہے کہ یہ ایک مشکل اور محنت طلب کام ہے۔ لیکن میں یہ کام کرنے کی کوشش کروں گی۔ ڈاکٹر سلیمان الفہیم کا اس حوالے سے ماننا تھا کہ وہ ایک مسلم عرب ہیں اور اس سے پہلے بھی حج ادا کرچکے ہیں اس لئے میں کوشش کروں گا کہ سارا، اوباما کو تمام معاملات آسانی سے سمجھاؤں اور ان کی حج کی ادائیگی کے حوالے سے مدد کروں۔ یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ ڈاکٹر سلیمان الفہیم اور امریکی صدر بارک حسین اوباما کی دادی سارا اوباما اقوام متحدہ کے خیرسگالی سفیر کے طور پر کام کررہی ہیں اور یتیم بچوں کے ایک ایسے مرکز کی دیکھ ریکھ کرتی ہیں جہاں ہر روز ۱۲۰ بچوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ ادھر دوسری جانب معروف الیکٹرانک چینل ''العربیہ'' کا اپنی ایک رپورٹ میں کہنا تھا کہ امریکی صدر بارک حسین اوباما کی دادی کو حج کی دعوت نے دنیا بھر کے عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان حد فاصل کھینچ دی ہے اور امریکی صدر بارک حسین اوباما کی دادی سارا اوباما کے مذہب کے حوالے سے کینیائی مسلمانوں اور عیسائیوں اور امریکی مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان مناقشت کی فضا پیدا کردی ہے کیونکہ بیشتر امریکی اور کینیائی عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ اوباما کی دادی سارا اوباما ایک کٹر عیسائی ہیں جبکہ کینیائی اور عالمی مسلمانوں کا کہنا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہیں۔ ''العربیہ ٹی وی'' کا کہنا ہے کہ ابھی کچھ عرصے پہلے کینیائی عیسائیوں کی جانب سے سارا اوباما کو عیسائی ظاہر کرنے کے لئے ان کا بپتسمہ (عیسائی بنانے کے عمل کے دوران غسل دینے کا آخری مرحلہ) کرنے کی تقریب منعقد کرنے کا اعلان کیا گیا تھا، لیکن بپتسمے کی تقریب منعقد ہونے کے وقت سیکڑوں مسلمانوں کی جانب سے ان کا بپتسمہ کروانے کو زبردستی کا عمل قرار دے کر مسلمانوں کی جانب سے عیسائیوں کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا تھا جس سے کینیا میں مذہبی تناؤ پیدا ہوگیا تھا۔ ''العربیہ ٹی وی'' کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۸ اپریل کو ہفتے کے روز نیروبی میں پروٹسٹنٹ چرچ سے تعلق رکھنے والے عیسائی راہبوں کے گروپ کی جانب سے سارا کو بپتسمہ دئے جانے کی تقریب منعقد کی تھی لیکن سارا کے قریبی رشتے داروں اور کینیائی مسلمانوں کے ایک گروپ کی جانب سے عمل کی مزاحمت کی گئی اور اس کو خلاف شریعت قرار دیا گیا تھا جس کے بعد عیسائی راہبوں کو سارا کو بپتسمہ دئے جانے سے روک دیا گیا تھا۔ العربیہ ٹی وی کا کہنا تھا کہ عیسائی راہب سارا اوباما کو بپتسمہ دے کر انہیں ایک کٹر عیسائی ظاہر کرنا چاہتے تھے لیکن کینیائی مسلمانوں کا دعویٰ تھا کہ اوباما کی دادی ایک مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کا بپتسمہ کرنا درست طرز عمل نہیں ہے۔ العربیہ ٹی وی کا مزید کہنا تھا کہ اوباما کی دادی کے بپتسمہ کے حوالے سے نیروبی سے ۲۳۶ میل کی دوری پر واقع، قصبے کیسومو (Kisumu) کے سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ چرچ جو پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا مرکز بھی ہے، کے عیسائی راہبوں کا کہنا تھا کہ اوباما کی دادی ایک کٹر عیسائی ہے اور اس کا بپتسمہ کرنے کا فیصلہ درست ہے۔ لیکن کینیائی مسلمانوں کے آڑے آجانے کے بعد ان کا بپتسمہ روک دیا گیا ہے۔ عیسائی رہنما اور چرچ کے راہب فادر ٹام اوبیا (Tom Obiy) کا یہ بھی کہنا تھا کہ اگر مسلمانوں نے ہمیں اوباما کی دادی کا بپتسمہ کرنے سے روکا ہے تو انہیں یہ بھی چاہئے کہ وہ سلیمان الفہیم کی دعوت پر سارا اوباما کو حج پر جانے سے روک دیں۔ ٹام اوبیا کا دعویٰ تھا کہ دنیا کو معلوم ہوجانا چاہئے کہ اوباما کی دادی سارا اوباما ایک عیسائی خاتون ہیں اور ان کا بپتسمہ کیا جانا بہت ضروری ہے۔ اس حوالے سے کینیائی مسلمانوں کے اماموں کی کونسل کے سربراہ شیخ محمد الخلیفہ کا کہنا تھا کہ انہیں اس بات پر بہت افسوس ہے کہ کینیا کے عیسائیوں کی جانب سے سارا اوباما کو جبر و دباؤ کے تحت عیسائی بنایا جارہا تھا اس لئے کینیائی مسلمانوں نے اپنا احتجاج ریکارڈ کرواتے ہوئے عیسائیوں کو سارا اوباما کا زبردستی بپتسمہ کرنے سے روک دیا ہے۔ شیخ محمد الخلیفہ نے العربیہ ٹی وی سے بات چیت میں کہا کہ انہیں افسوس اس بات کا ہے کہ عیسائیوں کی جانب سے صرف اوباما کی دادی محترمہ کا بپتسمہ ہی کیوں کروانے پر اصرار کیا جارہا ہے حالانکہ کینیا میں ہزاروں عیسائی عورتیں اور بچے ایسے بھی ہیں جو راہبوں کی جانب سے بپتسمے کے منتظر ہیں لیکن ان کا بپتسمہ نہیں کیا جارہا۔ شیخ خلیفہ کا کہنا تھا کہ عیسائی راہبوں کی جانب سے بارک حسین اوباما کے صدر بننے سے پہلے سارا کا بپتسمہ کیوں نہیں کروایا تھا؟ شیخ محمد الخلیفہ کا عزم ہے کہ وہ ایک مسلمان خاتون کا زبردستی بپتسمہ نہیں کرنے دیں گے۔ شیخ الخلیفہ نے عیسائی دنیا کو چیلنج کیا کہ وہ مسیح کے ایک قول کو سامنے لے آئیں کہ کسی غیر عیسائی کو عیسائی بننے پر مجبور کیا جاسکتا ہے؟ شیخ خلیفہ کا کہنا تھا کہ ماما سارا ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئی ہیں اور وہ مرتے دم تک ایک مسلمان رہیں گی اس لئے کسی کو بھی اس بات کا حق نہیں ہے کہ انہیں زبردستی عیسائی بناڈالے۔ ہم اس عمل کی سخت مخالفت کریں گے۔

ادھر ماما سارا اوباما کے مسلمان ہونے یا عیسائیت قبول کرنے کے حوالے سے متضاد بیانات سامنے آرہے ہیں۔ کینیائی مسلمانوں کا استدلال ہے کہ سارا مسلمان ہیں۔ جبکہ کینیائی اماموں کی کونسل کا بھی دعویٰ ہے کہ ماما سارا، اسلام پر کاربند ہیں اور وہ ایک مسلمان ہیں۔ عیسائی رہنما اور چرچ کے راہب فادر ٹام اوبیا کا دعویٰ ہے کہ سارا ایک عیسائی خاتون ہیں اور انہیں حج کے لئے لے جانے کا طریقہ درست نہیں ہے۔ فادر ٹام اوبیا کا کہنا تھا کہ اسلام کہتا ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں غیر مسلم نہیں جائیں گے اس لئے میرا سوال ہے کہ سارا جو ایک عیسائی خاتون ہیں، کو کس طرح مسلمانوں کے مقدس شہروں میں لے جایا جارہا ہے؟

یہاں یہ امر بھی دلچسپ اور حیرت انگیز ہے کہ اوباما کی سوتیلی دادی سارا اوباما نے امریکی اخبار یو ایس ٹوڈے کے ساتھ بات چیت میں دبے الفاظ میں اپنے مذہب کا اعلان کیا، سارا اوباما کا کہنا تھا کہ وہ اسلام پر گہرا یقین رکھتی ہیں لیکن وہ ایک عیسائی بھی ہیں۔ ماما سارا نے امریکی صف اول کے اخبار نیویارک ٹائمز کے ساتھ اپریل ۲۰۰۸ء میں بات چیت کرتے ہوئے کہا تھا: ''وہ اسلام پر گہرا یقین رکھتی ہیں''، لیکن یہی خاتون صرف گیارہ مہینے کے بعد امریکی اخبار یو ایس ٹوڈے سے بات چیت میں فرماتی ہیں کہ وہ ایک عیسائی بھی ہیں۔ جس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ وہ عیسائی ہونے کو بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتیں اور اپنے اسلام پر کاربند رہنے کو بھی دنیا کے سامنے نہیں لانا چاہتیں، کیونکہ انہیں دونوں مذاہب کے ماننے والوں کی طرف سے ہمدردی اور مالی امداد بھی مل رہی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ انہیں سعودی حکومت کی جانب سے حج کی ادائیگی کیلئے کس طرح سعودی عرب میں داخلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ انھوں نے تین دن پہلے ہی امریکی اخبار یو ایس ٹوڈے سے بات چیت میں اپنے عیسائی ہونے کا اعتراف کیا ہے اور سعودی حکومت کسی غیر مسلم عورت کو حج کی ادائیگی کیلئے اجازت فراہم نہیں کرتی کیونکہ اسلامی احکام کی رو سے غیر مسلموں کو مکہ اور مدینے جانے کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔ ●●

اشرف اور جگدیش

بی بی سی اردو سروس کے نمائندے وسعت اللہ خاں ان دنوں ہندوستان میں ہیں اور الیکشن کا حال دیکھ رہے ہیں۔ اس دوران وہ اپنے مشاہدات بھی زبان خلق کے حوالے سے پیش کرتے رہتے ہیں، جسے بی بی سی کی اردو سروس نے ان کا ایک مستقل کالم 'بات سے بات' بنادیا ہے، ذیل میں ان کی اسی قبیل کی ایک تحریر پیش کی جارہی ہے جو ہندوستان اور پاکستان کے عام آدمی کی سوچ کا آئینہ ہے۔

پاکستان اور بھارت کے جو جو شہری ایک دوسرے کے ہاں سفر کرلیتے ہیں وہ پھر اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ دال تو گوجرانوالے میں بھی اسی طرح پکتی ہے جیسے لدھیانے میں شلوار قمیض تو دہلی میں بھی اسی طرح پہنی جاتی ہے جیسے لاہور میں، پان میں کتھے کا ذائقہ تو بھوپال میں بھی کراچی جیسا ہے، پرانی دہلی میں بھی متن میں وہی مصالحے پڑتے ہیں جو پشاور میں۔ پھر آخر مسئلہ کیا ہے؟ مسئلہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب گفتگو سنجیدہ موڑ لیتی ہے۔ فیصل آباد کا محمد اشرف ستار کبھی بھارت نہیں گیا۔ بس اس نے پاکستان آنے والے اکا دکا سکھ یاتریوں کو دیکھا ہے۔ محمد اشرف کے ذہن میں جو بھارت ہے وہ کچھ یوں ہے کہ بھارت صرف ہندوؤں کا ملک ہے۔ وہاں برہموں اور بنیوں نے تمام طبقوں کو سیاسی اور اقتصادی غلام بنا رکھا ہے۔ مسلمان نہ تو آزادی سے نماز پڑھ سکتے ہیں اور نہ اذان دے سکتے ہیں۔ گاندھی ایک ایسا متعصب ہندو تھا جس نے ہمیشہ مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی کوشش کی اور اس کے وارثوں نے پاکستان توڑ دیا۔ آدھا بھارت فٹ پاتھ پر سوتا ہے۔ اسے پیٹ بھر کر کھانے کو نصیب نہیں ہوتا اور اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ بھارت اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اسلحہ بنانے پر خرچ کردیتا ہے۔ صرف کشمیر ہی نہیں بھارت کے کئی صوبے اور قومیں آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جس دن اس ملک پر سے برہمن بنیا سامراج کی گرفت کمزور ہوگئی بھارت ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا۔

جب میں نے محمد اشرف ستار سے کہا کہ اس کی کچھ باتیں درست ہیں لیکن اسی بھارت میں اونچ نیچ کے باوجود پسماندہ طبقوں کو اوپر لانے کی کئی برس سے سنجیدہ کوشش ہورہی ہے۔ اس ملک کا نظام تعلیم ہزاروں سائنسداں اور ٹیکنالوجی کے لاکھوں ماہرین بھی پیدا کررہا ہے۔ اس کی مڈل کلاس دنیا کی سب سے بڑی مڈل کلاس ہے۔ بھارت کئی صنعتوں میں خودکفیل ہے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی میں وہاں حیرت انگیز ترقی ہورہی ہے۔ جب گجرات میں قتل عام ہوا تو اس کی مذمت کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ وہاں کا قومی میڈیا اور بہت سی اہم سیاسی اور غیر سیاسی تنظیمیں بھی آگے آگے تھیں۔ وہاں مسلمان نہ صرف نماز پڑھ سکتے ہیں بلکہ اذان بھی دے سکتے ہیں۔ سیاست، حکومت، تعلیم، ٹیکنالوجی اور میڈیا کے شعبوں میں مسلمانوں کے کئی نمایاں نام ہیں اور ایسے بہت سے لوگ ہیں جو پاکستان کو دشمن نہیں سمجھتے۔ یہ باتیں سن کر محمد اشرف ستار نے مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا کہ جناب آپ کیسی باتیں کررہے ہیں اور تو کوئی ایسی باتیں نہیں کرتا۔

رائے پور کا فوٹو گرافر جگدیش مہتا بھی پاکستان نہیں گیا۔ اس کا تصور پاکستان کچھ یوں ہے: پورے پاکستان میں آتنک وادی ٹریننگ کیمپ پھیلے ہوئے ہیں۔ زیادہ لوگ لمبی لمبی داڑھیوں والے ہیں۔ عورتوں کو گھروں میں بند رکھا جاتا ہے۔ وہ بہت کم باہر نکل سکتی ہیں اور وہ بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر، مسلمان لوگ وہاں رہنے والے ہندوؤں کو غدار سمجھتے ہیں۔ نہ وہ مندر جاسکتے ہیں نہ پوجا پاٹ کرسکتے ہیں۔ بچے لوگ صرف مذہبی مدرسوں میں پڑھنے جاتے ہیں۔ کیونکہ اسکول کم ہیں اور انہیں بموں سے بھی اڑا دیا جاتا ہے۔ ضرورت کا زیادہ سامان باہر سے آتا ہے۔ بہت کم صنعتیں ہیں۔ کھیتی پر زیادہ زور ہے، ہر پاکستانی اندر سے یہ سمجھتا ہے کہ بھارت ٹوٹ جانا چاہئے۔

جب میں نے فوٹو گرافر جگدیش مہتا کو بتایا کہ اس کی ایک آدھ بات ٹھیک ہے لیکن پاکستان میں ہر تیسرے آدمی کے پاس موبائل فون ہے۔ غریبی ہے مگر بہت کم لوگ فٹ پاتھ پر سوتے ہیں۔ گندم، چینی اور کپاس کی ضرورت عام طور سے ملک میں ہی پوری ہوجاتی ہے۔ پاکستان ٹیکسٹائل کی صنعت میں خاصا آگے ہے۔ وہاں کے لوگوں نے سیاسی اور مذہبی شدت پسندوں کو کبھی بھی زیادہ ووٹ نہیں دیئے۔ اکثر بچے مذہبی مدرسوں میں نہیں بلکہ اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ وہاں داڑھی رکھنے یا نہ رکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ لاکھوں عورتیں اچھی ملازمتوں پر ہیں۔ زیادہ لوگ قانون کی پابندی چاہتے ہیں اسی لئے وہ چیف جسٹس کی بحالی کے لئے سڑکوں پر نکلے۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا پھیلاؤ اچھا خاصا ہے۔ لوگوں کی اکثریت فوجی یا مذہبی آمریت نہیں بلکہ جمہوریت چاہتی ہے۔ بیشتر لوگ بھارت کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ ہندو آرام سے مندر جاتے ہیں۔ پاکستانی لوگ بھارتی فلمیں اور چینل بڑے شوق سے دیکھتے ہیں اور ویزے کی پابندی میں نرمی چاہتے ہیں اور بھارتی جمہوریت کو اچھی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ باتیں سن کر رائے پور کے فوٹو گرافر جگدیش مہتا نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا صاحب آپ پاکستان سے آئے ہیں نا تب ہی ایسی باتیں کررہے ہیں۔ کوئی بات نہیں۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے کہ بھارت اور پاکستان کے مابین پیاز، گوشت، یاتریوں، امن وفود، سیاستدانوں اور فنکاروں اور فلموں کی تجارت تو ہوسکتی ہے لیکن کتابوں، رسالوں، اخباروں اور نیوز چینلز کو سرحد کے آر پار آزادانہ جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ گزشتہ ساٹھ برس سے پاکستان اور بھارت کے لوگوں کی اکثریت کو ایک دوسرے کے بارے میں تاریک رکھنے کی پالیسی دراصل ایک ایسی انڈسٹری ہے جس سے میڈیا، سرکار، مذہب اور سیاست کے ہزاروں لوگوں کا روزگار وابستہ ہے۔ اور کون چاہتا ہے کہ وہ ایک عام پاکستانی یا بھارتی کے ذہن کو آزاد کرکے بیروزگار ہوجائے۔ ●●

حق اور باطل کا فرق

ابوالمجاہد احمد جریر، حیدرآباد

بارک حسین اوباما نے ترکی میں کہا:

''امریکہ کی اسلام سے جنگ نہیں ہے اور نہ کبھی ہوگی۔ امریکہ اسلام سے برسرپیکار نہیں ہے اور نہ کبھی ہوگا''۔ امریکہ اور عالم اسلام کے درمیان قریبی اشتراک پر زور دیا اور کہا کہ یہی القاعدہ کے خاتمے کا راستہ ہے۔ (دعوت ۱۶ اپریل ۲۰۰۹ء)

اس بیان پر غور کیا گیا تو محسوس ہوا کہ یہ سارا بخار القاعدہ پر ہے اور ہونا بھی چاہئے کیونکہ ان کا طریقہ کار یہی رہا ہے کہ جب کسی سے کام نکل چکا ہو تو اسے نیست و نابود کردیا جائے مگر یہ کم بخت مسلم قوم اس کو قبول کرنے کو تیار ہی نہیں۔ مزید دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن مشاہدہ بتاتا ہے کہ جو بھی ان کا آلۂ کار بنا انعام میں تباہی کے سوا کچھ نہ ملا۔ کیا القاعدہ کیا طالبان۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسی اور اسی طرح کی مزید کتنی غیر معروف تنظیمیں انھوں نے پیدا کی ہوں گی جو آج اپنی قبروں میں مدفون ہوں گی۔ بارک حسین اوباما کا کہنا کہ امریکہ کی اسلام سے جنگ نہیں ہے اور نہ کبھی ہوگی تعجب خیز ہے۔ آج تک کس چیز سے جنگ ہورہی تھی، وہ اس لئے کہ اسلام ہی مسلمان ہے اور مسلمان ہی اسلام ہے۔ ان دو میں سے کسی کا بھی نام لے کر خون بہاؤ، وہ خون مسلمان ہی کا ہوگا۔ افغانستان وعراق کی جنگیں یہی بتاتی ہیں کہ بے قصور کو خوب سزا دی جائے اور کہے کہ ہم تمہارے دشمن نہیں بلکہ ہم اپنے اصولوں کے غلام ہیں۔ القاعدہ، طالبان، دہشت گرد، انتہا پسند وغیرہ وغیرہ مختلف اصطلاحیں ہیں جو لفظ ''اسلام'' کی بجائے بڑی ہوشیاری سے استعمال کی جارہی ہیں کہ مقصد بھی حاصل ہوجائے اور قصوروار بھی نہ ٹھہرے۔ لاکھوں لوگوں کی جانیں قصداً ضائع کی گئیں۔ کیا چیچنیا کیا بوسنیا۔ کئی کئی دن تک مسلم قوم کا خون بغیر کسی رکاوٹ کے بہتا رہا اور مہذب قومیں بڑے اطمینان وسکون سے ہوش میں آگئیں۔ اس کے بعد اپنی میٹنگوں میں مصروف رہیں کہ ان حالات میں کیا کیا جائے۔ جب یقین ہوگیا کہ کافی خون بہہ چکا تو یہ قوتیں بیچ بچاؤ کے لئے اٹھیں۔ لاکھوں جانوں کے بدلے ایک آدھ فرد کو جنگی مجرم قرار دے کر ایک طویل ڈرامہ رچایا گیا۔ اب کہتے ہیں کہ اسلام سے ہماری کوئی جنگ نہیں کوئی دشمنی نہیں۔ افغانستان اور عراق کو تباہ کردیا گیا۔ قدرتی وسائل لوٹ لئے گئے، قبضہ کرلیا گیا۔ اپنی کٹھ پتلی حکومت قائم کردی گئی۔ ابھی اور کیا چاہئے۔ ساٹھ سال سے مظلوم فلسطین جیتی جاگتی تصویر بنا ہوا ہے۔ اسرائیل ظلم کرتا ہے تو کان پر جوں نہیں رینگتی۔ اگر فلسطین ظلم کے خلاف زور لگاتا ہے تو کہتے ہیں کہ پہلے فلسطین ہتھیار ڈالے، پیچھے ہٹ جائے، اسرائیلی قیدی کو رہا کرے وغیرہ وغیرہ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ اور اس کے بعد کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کہنے کو تو بہت ہے لیکن خود مسلم حکمراں اپنے عیش کی وجہ سے بے بس ہیں۔ باطل کہتا ہے کہ تمہاری فلاں فلاں بات ہمارے انسانی حقوق کے خلاف ہے ہم یہ برداشت نہیں کرسکتے۔ لیکن ہماری باتیں اور حرکتیں آزادی اظہار خیال ہے تم کچھ نہ کہنا۔ اسی طرح تمہاری بے شمار باتیں و حرکتیں ہماری تہذیب و اصول کے خلاف ہیں اور ہمیں بھی ناپسند ہیں۔ مسلم حکمرانوں کو چاہئے کہ صرف جی حضوری کی بجائے ان ہی کی طرح ان کو بھی اسلامی تہذیب کے نکات کی طرف متوجہ کریں تاکہ حق اور ناحق میں انہیں فرق نظر آئے اور حقیقی معنوں میں ان کے اخلاق و کردار میں سدھار آجائے۔

(۱) مغرب میں مرد اپنی بیوی اور بچوں کو ''اف'' تک نہ کہے ورنہ بیوی یا بچہ صرف ایک فون کال پر اسے سلاخوں کے پیچھے بند کرواسکتے ہیں۔ یہ اسلامی تعلیمات کے مغائر ہے۔ اسلام نے مرد کو خاندان کا نگراں بنایا ہے۔ مغرب میں مظلوم مرد کو اس کا جائز حق ملنا چاہئے۔

(۲) اسکول میں معصوم بچوں اور بچیوں کو ساتھ بٹھا کر یہ کہنا کہ یہ تمہارا دوست ہے یہ تمہاری سہیلی ہے بالکل غلط ہے۔ اسلام بنیاد ہی سے آوارہ گردی کی جڑ کاٹتا ہے۔ مخلوط تعلیم بالکل بند ہونی چاہئے۔

(۳) رہی سہی کسر بچوں کے بالغ ہوتے ہی ختم ہوجاتی ہے۔ بچی رات کہاں گزارتی ہے باپ کو پوچھنے کا حق نہیں۔ یہ اسلامی تعلیمات کے مغائر ہے۔ باپ اپنے خاندان کا صدر ہے گھر کے ہر فرد کو اس کے حکم کا پابند ہونا چاہئے۔

(۴) مرد کا کام ہے کہ وہ کمائے اور گھر چلائے نہ کہ بیوی کمائے بھی، گھر کا کام بھی کرے اور بچے بھی پیدا کرے۔ اس کے علاوہ نوکری کی جگہ غیر مرد سے لس ہو۔ یہ تمام اسلامی تعلیمات کے مغائر ہے۔ شوہر کی اجازت سے کام کرے بھی تو ایسے آفس میں جہاں غیر مردوں کا خوف نہ ہو۔ بیوی کی کمائی بیوی ہی کی ہوگی۔

(۵) مغربی تہذیب نفسا نفسی کی تہذیب ہے۔ طلاق ہوئی اور آدھی جائداد پر بیوی قابض ہوگئی۔ اسلام اس طریقہ کا مخالف ہے۔ حقوق کا اسلامی طریقہ رائج کیا جائے نہ کہ عورت ڈاکو کے روپ میں بیوی بن کر آئے۔

(۶) اسلام وراثت کی تقسیم میں خاندان وغرباء کا بھی خیال رکھتا ہے۔ اس سے غریب کی مدد اور آپسی تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ دولت تقسیم ہوتی ہے نہ کہ سمٹ کر چند مٹھی بھر لوگوں تک محدود ہوجاتی ہے۔ مغرب اس کی افادیت کو پہچانے اور اسے اپنائے۔

(۷) لڑکا لڑکی کی دوستی اور Dating کھلی آوارہ گردی ہے۔ اسلام اسے کبھی برداشت نہیں کرتا بلکہ سخت سزائیں تجویز کرتا ہے۔ صالح معاشرے کے لئے مغرب کو اسے ترک کرنا ہوگا۔

(۸) زنا و قتل کے ملزمین کو ہلکی سزائیں دینا یا معاف کرنا ان کی ہمت افزائی کے مترادف ہے۔ اسلام اس کو قطعی برداشت نہیں کرتا۔ امن کی خاطر مغرب کو چاہئے کہ زنا و قتل کے ملزم کو اسلامی سزائیں سنائی جائیں۔

(۹) عریانیت، فحش، شراب، قمار بازی وغیرہ کا مکمل صفایا ہو۔ خصوصاً عورت کا لباس مرد کے لباس سے زیادہ تن ڈھانکے۔

(۱۰) مغربی تہذیب کے مطابق وہ عورت جو اجرت پر آوارہ گردی کرتی ہے فاحشہ ہے لیکن ہماری تہذیب میں ہر وہ عورت جو اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور سے جنسی تعلقات قائم کرتی ہے فاحشہ ہے۔ اس کی اولاد ناجائز ہے۔ فاحشہ کو اس کی سزا ملنی ضروری ہے۔ اسی طرح زانی مرد ہو یا عورت کسی بھی حالت میں معافی کے مستحق نہیں۔

(۱۱) جانوروں پر رحم کرنا اچھی بات ہے لیکن انسان کے ساتھ جانور سے بدتر سلوک حیوانی عمل ہے۔ اسلامی تعلیمات اور ہماری تہذیب اس کو رد کرتی ہے۔

ایسے بے شمار نکات ہیں جسے ہمارا مذہب، ہماری تہذیب اور ہمارا دل قبول نہیں کرتا۔ ہمارے حکمرانوں میں اس کو پیش کرنے کی ہمت اور دبدبہ چاہئے۔ جب باطل شیطانی احکام نافذ کرواسکتا ہے تو حق کیوں پیچھے رہے؟ ●●

پارلیمانی انتخابات کی ہوائیں

عارف عزیز، بھوپال

جمہوریت کی بنیاد قانون ساز ادارے ہیں۔ بھارت میں ان کی تشکیل اور پانچ برس تک ان کی کفالت پر عوامی خزانے کا بڑا حصہ صرف ہوتا ہے۔ کئی لوگوں کو اس طرح کے اخراجات اور قانون ساز اداروں کے ارکان کے روز افزوں اثر و اقتدار پر اعتراض ہے، خاص طور سے اس پہلو پر کہ خود ان کے درمیان کا کوئی فرد ممبر پارلیمنٹ یا رکن اسمبلی بن کر راتوں رات غیر معمولی اثرات کا مالک کیوں بن جاتا ہے؟ جبکہ معترضین کی نظر اس حقیقت پر نہیں جاتی کہ ان جیسا عام آدمی تو عموماً اپنے گھر کا نمائندہ بھی نہیں ہوتا مگر منتخبہ عوامی نمائندے ہزاروں بلکہ لاکھوں ووٹروں کی رائے سے چن کر پارلیمنٹ اور اسمبلی میں پہنچتے ہیں، پھر انتخابات کا مرحلہ تو وہ بے لاگ کسوٹی ہے جو اچھے اچھوں کی قلعی کھول کر رکھ دیتا ہے۔

آج اگر سرکاری ملازموں کو اپنے افسروں کے انتخاب کا موقع مل جائے یا مزدوروں کو اپنے کارخانے کے مالکوں کو چننے کا موقع دے دیا جائے تو کتنے نوکر شاہ اور صنعت کار اپنے عہدوں اور منصب پر واپس لوٹ سکیں گے؟ یا کتنے ٹیچروں کو ان کے طلباء دوبارہ اپنا استاد بنانا پسند کریں گے؟ یہ کہنے سے زیادہ سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔ ہمیں جمہوریت کے جنم داتاؤں کا شکرگزار ہونا چاہئے کہ انھوں نے الیکشن کو پانچ برس میں صرف ایک بار کے لئے مخصوص کردیا ہے (سیاسی عدم استحکام نے اسے پانچ سال کے بجائے کبھی ڈیڑھ، کبھی دو اور کبھی چار سال کا عمل ضرور بنایا ہے) ورنہ بار بار قسمت آزمائی میں اپنے اپنے میدان کے تیز طرار افراد کے بھی چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ اسی لئے ہمارے بیچ کا کوئی عام آدمی الیکشن کا میدان سر کرکے جب چنے ہوئے نمائندہ کا درجہ حاصل کرلیتا ہے تو اس کی حیثیت وصلاحیت میں یکایک اضافہ ہوجاتا ہے اور جو پارٹی یا محاذ اس مہم میں بازی مار لے جاتے ہیں اقتدار کے وہی مالک بنتے ہیں۔ الیکشن کی اسی اہمیت کے پیش نظر بہت پہلے سے اس کی تیاری شروع ہوجاتی ہے اور انتخابات کی ہوائیں مہینوں پہلے چلنے لگتی ہیں جیسا کہ آج کل ہمارے ملک میں نظر آرہا ہے کہ ہر سیاسی پارٹی اور محاذ اس فکر میں غلطاں ہے کہ کس طرح چناؤ کی مہم کامیابی سے سرانجام دے اور اقتدار پر فائز ہوجائے۔

گزشتہ چار پارلیمانی الیکشنوں میں کسی پارٹی یا محاذ کو واضح اکثریت نہ ملنے سے حکومت سازی کے کام میں کافی دقتیں پیش آرہی ہیں۔ اس مرتبہ بھی آثار وقرائن یہی بتاتے ہیں کہ کسی ایک پارٹی کو واضح اکثریت ملنا دشوار ہے۔ اب تک جتنے بھی الیکشن سروے ہوچکے ہیں ان میں ایک بار پھر معلق پارلیمنٹ کی ہی پیش قیاسی کی گئی ہے۔

پارلیمانی الیکشن کے لئے جاری صف بندی میں کانگریس یا اس کے محاذ کی سبقت یہی ظاہر کرتی ہے کہ اسے اقتدار میں واپسی کی فکر سب سے زیادہ ہے جس کے لئے اس نے نئے حلیفوں کو بھی ساتھ لیا ہے تاکہ الیکشن کے بعد صدر جمہوریہ حسب روایت واحد بڑی جماعت یا محاذ کو حکومت بنانے کی دعوت دیں تو قرعہ فال اسی کے نام نکلے، اسی لئے کانگریس کسی ریاست میں فراخدلی اور کہیں سختی کا مظاہرہ کر رہی ہے تاکہ اس سیاسی کھیل میں زیادہ سے زیادہ نفع کو یقینی بنا کر قومی منظرنامہ میں اپنی برتری برقرار رکھ سکے۔ ●●

سوڈانی صدر کے نام وارنٹ گرفتاری کا اجراء کیوں؟

صبا ممتاز

سوڈان اس وقت عالمی برادری کے لئے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ یورپ اپنے استعمار کے پنجے سوڈان میں گاڑنے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ سوڈان کے قدرتی وسائل اور زمینی خزانوں پر تصرف کے لئے منصوبہ بندی نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے کی گئی ہے۔ سوڈان اور عراق کا موازنہ کر لیجئے، آج امریکہ و یورپ سوڈان کے صدر عمر حسن البشیر کو اس طرح نشانہ بنائے ہوئے ہیں جیسے کل صدام کو۔ سوڈان کے خلاف سازشوں اور اس کے صدر کو نشانہ بنانے کا مقصد بھی وہی ہے یعنی عراق کی طرح سوڈان کے وسائل اور خزانوں کو قبضے میں لیا جائے۔ سوڈان کو یورپی طاقتوں اور مسیحی قوم کا مرکز بنایا جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ قومی حیثیت کے حامل منتخب لیڈر صدر عمر حسن البشیر کی قیادت کا خاتمہ کیا جائے۔

مگر اس دفعہ ماحول یورپی طاقتوں کو اس کے لئے ناسازگار نظر آتا ہے، کیونکہ عمر حسن البشیر کو تمام اسلامی دنیا میں اہمیت حاصل ہے اور ان کو تحفظ فراہم کیا جا رہا ہے۔ عالمی طاقتوں کی طرف سے سوڈان کے صدر عمر حسن البشیر کی حمایت اور تحفظ کی یقین دہانی نے امریکہ و یورپی طاقتوں کو بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔ امریکہ اور یورپ کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ عمر حسن البشیر کو الزامات کی زد میں لا کر ان کی قیادت کا خاتمہ کریں اور عنان اقتدار کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھوں میں دے دی جائے جو امریکہ کے اشارے پر چلیں۔ ایسی سیاسی انتظامیہ اور حکومت تشکیل دی جائے جو بیرونی طاقتوں کی کٹھ پتلی ہو، جو صرف نام کی سوڈانی حکومت ہو اور در پردہ امریکہ کے اشاروں کی غلام اور اس کے احکام کی محتاج ہو۔ نہ صرف سوڈان کی حکومت کا اختیار لیا جائے بلکہ وہاں عراق کی طرح خانہ جنگی کی آگ کو بھڑکا کر اس خطے کو مستقل مذہبی، نسلی، قبائلی، جماعتی اور فرقہ وارانہ چپقلشوں کی آماجگاہ بنا دیا جائے۔

اس مقصد کے لئے سوڈان میں اندرونی انتشار بھی برپا کروایا گیا۔ عمر حسن البشیر کا مسئلہ بین الاقوامی عدالت انصاف کے سپرد اس وقت کیا گیا جب اس نے دارفور کے مسئلے کی تحقیق کے لئے مغربی ممالک کی ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی کا مقصد دارفور میں انسانی حقوق اور بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کی رپورٹ پیش کرنا تھا۔ اقوام متحدہ مغربی طاقتوں کی خواہشات کی تکمیل کے لئے منظوری دینے والا ایک ادارہ بن کر رہ گیا ہے۔ مغربی ممالک کی تشکیل شدہ کمیٹی کی رپورٹ غیر جانبدارانہ کیسے ہو سکتی تھی؟ اس کمیٹی کے ذریعے مغربی ممالک کو سوڈان کے صدر پر الزامات لگانے کا سنہری موقع ہاتھ آ گیا اور سوڈان کے صدر کے خلاف الزامات کی ایک لمبی چوڑی فہرست تیار کر لی گئی۔ مغربی ملکوں کی اس کمیٹی نے دارفور میں انسانی حقوق اور بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کی رپورٹ پیش کی تھی۔ ۱۹۸۸ء میں روم میں بین الاقوامی کرمنل کورٹ کی تشکیل کے لئے جو معاہدہ ہوا اس پر امریکہ نے دستخط نہیں کئے۔ امریکہ و اسرائیل کو خطرہ ہے کہ ان کی مجرمانہ سرگرمیوں کو بھی اس دائرہ کار میں لایا جا سکتا ہے۔ عراق، افغانستان، فلسطین اور دیگر مقامات پر مسلسل جنگی جرائم کے مرتکب تو وہ بھی ہیں۔ مگر سوڈان کے صدر کو وہ صدام حسین کی طرح اپنی ہوس کا نشانہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ عرب لیگ اور افریقی یونین سوڈان کے صدر کی حمایت میں ہیں۔ امریکہ و اسرائیل اور سوڈان مخالف ممالک نے مقدمے کو مؤخر کرنے کی کسی بھی کوشش کی مخالفت کی ہے۔ اگر کسی طرح یہ مسئلہ مؤخر ہو جاتا ہے تو امریکہ اور اسرائیل سوڈان کو بلیک میل کرنے اور مسلم طاقتوں کو سوڈانی صدر کے خلاف اکسانے یا جھکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔ مغرب سلامتی کونسل کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ اس کے لئے اس نے جاسوس تنظیموں کا سہارا بھی لیا جسے اس نے فلاحی تنظیموں کا نام دے رکھا ہے۔ یہ فلاحی وخیراتی تنظیمیں فلاح و بہبود کی آڑ میں امریکی اور مغربی طاقتوں کے لئے جاسوسی کے فرائض سرانجام دے رہی تھیں۔ نہ صرف جاسوسی کے بلکہ فلاحی کاموں کی آڑ میں سوڈانی حکومت اور صدر کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف تھیں۔ سوڈان کے صدر نے خطرہ کا صحیح تدارک کرتے ہوئے ان تنظیموں کو نکال باہر کیا ہے۔ اس زد میں اگر کچھ حقیقی فلاح و بہبود کے ادارے آ بھی گئے ہیں تو وہ برائے نام ہیں، مگر کسی بھی تنظیم کی آڑ میں سوڈان کی حکومت کو کمزور کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی۔ اب ان تنظیموں کے حوالے سے امریکہ و مغرب نے واویلا مچا رکھا ہے کہ یہ فلاح و بہبود کا فریضہ سرانجام دے رہی تھیں۔ سوڈانی حکومت نے ان ملک بدر کی جانے والی تنظیموں پر الزام لگایا ہے کہ یہ انسانی خدمات کی بجائے صرف اور صرف اپنے مغربی آقاؤں کے لئے جاسوسی کی خدمات انجام دے رہی تھی۔ علاوہ ازیں یہ تنظیمیں تخریبی کارروائیوں میں بھی ملوث ہیں۔ ان سوڈان بدر کی جانے والی تنظیموں میں چار امریکی اور ایک فرانسیسی تنظیم ہے۔ فرانسیسی تنظیم کو موجودہ فرانسیسی وزیر برنارڈ کوشنر نے قائم کیا تھا، جس کا نظریہ انسانی فلاح و بہبود نہیں بلکہ انسانی بنیادوں پر کسی بھی ملک میں فوجی مداخلت ہے۔ لیکن اب بھی سو سے زائد تنظیمیں انسانی خدمت کے نام پر سوڈان میں موجود ہیں، لیکن ان کی طرف سے خدمت کا پرچار زیادہ ہے اور عملی خدمت کم، جس کا ثبوت دارفور کے لوگوں کی ستم رسیدہ حالت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ امریکہ، اسرائیل اور فرانس ہر طرح سے سوڈان حکومت پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ مغرب کے سامنے سرنگوں ہو جائے۔ سوڈان کے اندر اگر مختلف گروہوں کو لیا جائے تو آپس کے اختلافات اپنی جگہ، مگر وہ سوڈان کے صدر کی بین الاقوامی عدالت انصاف کی حوالگی کے خلاف ہیں۔ سوڈان کے نائب صدر جنوبی سوڈان کے صدر، سوڈانی ری پبلکن جیش آزادی کے رہنما سلفائر اور سوڈان کے صدر کی موافق اور مخالف تمام شخصیات ان کی مداخلت کے خواہش مند ہیں۔ اسلامی دنیا بھی ان کا بھرپور ساتھ دے رہی ہے، جس کا ثبوت قاہرہ میں منعقدہ عرب وزراء کانفرنس اور دوحہ چوٹی کانفرنس ہے۔ اس میں شامل تمام عرب رہنماؤں نے عمر حسن البشیر کی تائید اور دفاع پر اتفاق کیا۔ کسی نے ان کے خلاف اظہار خیال نہیں کیا۔ ●●

بقیہ: قدیم امریکی ”اصلاحی“ جیلوں کے قیدیوں کی حالت

اصلاحی جیل خانے کی اس تبدیلی کے باوجود صورتحال میں مکمل تبدیلی نظر نہیں آتی۔ اس اصلاحی جیل خانے کی موٹی دیواریں اور ماحول گناہوں سے تائب ہونے یا توجہ کی طرف رجوع کرنے سے زیادہ قیدیوں کو یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ آزادی سے محروم کر دیئے گئے ہیں اور آزاد و خود مختار لوگوں کی آوازیں اور ان کے قدموں کی چاپ جن کو وہ سنتے ہیں انہیں اپنی تنہائی کو زیادہ محسوس کرنے کا سبب بنتی ہے وہ اس جیل میں رہنے کے باوجود کھلے آسمان کو تو ضرور دیکھ سکتے ہیں لیکن اس سے بھی انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ آزادی ابھی ان سے بہت دور ہے۔ پھر وارڈن قیدیوں کو کنٹرول کرنے کیلئے اپنے جو اختیارات استعمال کرتے ہیں ان سے بھی یہ احساس ان میں جاگزیں رہتا ہے کہ وہ اپنی انفرادی انسانیت اور خودداری سے محروم ہو گئے ہیں۔

قیدیوں کے جو بیانات قلمبند کئے گئے ہیں ان سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اصلاحی جیل خانے میں بھی ان کی حالت ناگفتہ بہ رہی تھی۔ فرانسیسی فلاسفر اور ساجی مورخ الیکسی ڈی ٹوکوویلی اور اس کے ساتھ گستاف ڈی بیومونٹ نے مشرقی ریاست میں قیدیوں کے انٹرویو کرنے کے بعد فرانسیسی حکومت کو جو رپورٹ پیش کی تھی اس میں کہا گیا تھا کہ ۸۵ قیدی یہاں دو ماہ سے قید ہیں یہ چوری کی سزا کاٹ رہے تھے۔ انہوں نے لکھا کہ ان کی صحت اچھی ہے لیکن ان کا ذہن بہت چڑچڑا اور غضبناک ہے اگر آپ کسی قیدی سے اس کی بیوی بچوں کے بارے میں سوال کریں تو وہ بے تحاشا رونے لگتا ہے۔ مختصر یہ کہ اس اصلاحی جیل خانے نے اس پر بہت گہرے معکوس اثرات مرتب کئے ہیں۔ ایک اور قیدی بے حد مایوسی کا شکار تھا۔ اس بدنصیب شخص سے جب اس کی بیوی بچوں کے بارے میں پوچھا گیا تو رونے لگا اور کہنے لگا کہ اسے توقع ہے کہ اب وہ انہیں کبھی دیکھ بھی نہ سکے گا۔ انٹرویو نگاروں کے مطابق جب ہم اس کے کمرے میں گئے تب بھی ہم نے اسے روتے ہوئے ہی پایا تھا۔

"Eastern state Peritentiary Cry Cible & Good Intention" کے مصنف نواحن جانسن کا کہنا ہے کہ قید تنہائی بہت خوفناک سزا ہے امریکہ میں خانہ جنگی سے قبل کے عوام دماغی صحت تک سے واقف نہ تھے لیکن جب سے انسانوں کو قید تنہائی دی جانے لگی یہ ذہنی امراض خوفناک حد تک پھیل گئے ہیں اور اس اصلاحی جیل خانے کے ریکارڈ سے یہ المناک حقیقت واشگاف ہوئی ہے کہ قید تنہائی کے نتیجے میں قیدی اپنے سروں کو دیواروں سے اتنا ٹکراتے ہیں کہ ان کے سروں اور پیشانیوں پر گہرے زخم بن جاتے ہیں۔ اس صورتحال کے باوجود بہت سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ نظام اب بھی جاری رکھنے کے قابل ہے اور اس کے نتیجے میں ایماندار آدمی تیار کئے جا سکتے ہیں۔ اس نظریے کے حامی یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ ان کی اپروچ انسانیت کے عین مطابق ہے اور اس سے معاشرے کی بھلائی مقصود ہے۔ اس اصلاحی قید خانے کی تعمیر پر کامن ویلتھ آف پنسلوانیا نے ۷۰ لاکھ ہزار ڈالر خرچ کئے جو کہ مصارف کے اعتبار سے امریکہ کا دوسرا بڑا جیل خانہ اور نمبر ایک پر آنے والا جیل خانہ امریکی دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی کا ہے جس پر ۱۱۵ ارب ڈالر خرچ کئے گئے ہیں۔

امریکہ کے اس نئے نظام میں دنیا بھر کے بہت سے لوگ متاثر ہوئے تھے اور وہ یہ دیکھنے کے خواہشمند تھے کہ یہ نظام کیسے کام کرتا ہے۔ ایسے ممالک میں فرانس، کروشیا، برازیل اور برطانیہ وغیرہ بھی شامل تھے جنہوں نے اپنے اپنے نمائندے مشرقی اسٹیٹ میں اصلاحی جیل خانے کا مطالعہ کرنے کے لئے بھیجے تھے، اس کے ڈیزائن کو دنیا بھر کی ۳۰۰ سے زیادہ جیلوں میں اپنایا گیا۔ ان میں پیکنگ کے پہلے قید خانے (۱۹۰۹) میکسیکو کے قومی اصلاحی قید خانہ (۱۹۰۰) کینیڈا کے بورڈیکس جیل (۱۹۱۲) اور پاپان کے میاگی جیل خانہ (۱۸۱۹) میں اس کے ڈیزائن کی نقل تیار کی گئیں۔

اصلاحی جیل خانے کے نظام پر بحث ومباحثہ اور غور وخوض زوردار طریقے سے ہوا تھا تاہم اب وہ بتدریج کم ہوتا جا رہا ہے کہ یہ نظام ذہنی اذیت کی انتہا ہے یا جسمانی اذیت کا سبب ہے۔ ڈی ٹوکوویلی، گستاف ڈی بیوموئٹ نے اوبرن اوسنگ سنگ کے خیالات سے اتفاق کیا ہے کہ یہ اصلاحی جیل خانہ عملی طور پر قیدیوں کے لئے دوسری جیلوں سے زیادہ اذیت ناک“ ہے اوبرن کے مطابق عام جیلوں میں قیدیوں سے مختلف نوعیتوں کے کام لئے جاتے ہیں تا کہ ان سے جیلوں کو بھی منفعت حاصل ہو جب کہ مشرقی ریاست کے اصلاحی جیل خانے میں قیدیوں سے یہ کام نہیں لئے جاتے، اس کے باوجود اس کے اخراجات بے پناہ ہیں۔ برطانوی ناول نگار چارلس ڈکنز نے ۱۸۴۱ء میں اس اصلاحی جیل خانے کا دورہ کیا تھا۔ اصلاحی جیل خانے کا دورہ کرنے کے بعد وہ دہشت زدہ ہو گیا تھا اور اس نے اسے ایک ایسا مقام قرار دیا تھا جہاں بے پناہ تشدد اور ذہنی اذیت کا سامان کیا گیا ہے۔

۱۹۹۰ء میں سٹی آف فلاڈلفیا نے ایک جگہ خریدی تھی اس جگہ پر ایک جیل یا دو قومی یا چند قومی مشترکہ حاکمیت کی بلڈنگ تعمیر کرنے کے مختلف منصوبے وضع کئے گئے تاہم ۱۹۹۴ء میں پنسلوانیا پریزن سوسائٹی نے اس پر توجہ مرکوز کر دی اور ۲۰۰۱ء میں ایسٹرن اسٹیٹ اصلاحی جیل خانے کے نئے غیر منفعت بخش کام کے لئے اسے مختص کر دیا، سوسائٹی نے اس تاریخی مقام پر اپنے مشن کو جاری رکھا، اسے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

کیا ایسٹرن اسٹیٹ ناکام ہو گئی؟

یہ کہنا مشکل ہے کوئی بھی حقیقت میں اس بات سے واقف نہیں ہے اس لئے کہ کسی کے پاس بھی اس کے مکمل تجزیہ کے اعداد وشمار نہیں ہیں تاہم کسی حد تک ایسٹرن اسٹیٹ قیدیوں پر قیدیوں کے تشدد کے خاتمے میں بہرحال کامیاب ہوئی ہے اور یہاں سے فرار ہونا یا بغاوت کرنا بھی ممکن نہیں تاہم یہ نظام مختصر عرصہ ہی جاری رہ سکا اور امریکہ نے ۱۹۱۳ء میں پنسلوانیا سسٹم کو ترک کر دیا تاہم یہ اصلاحی جیل خانہ ۱۹۷۱ء تک کام کرتا رہا۔ آج ایسٹرن اسٹیٹ کے کوریڈورز صرف یہاں آنے والے اور اسے دیکھنے والوں کے قدموں کی چاپ سنتے ہیں تاہم اس کی تاریخی بازگشت ان کی بنیاد رکھنے والوں کے اچھے عزائم کے گواہ ہیں اگرچہ یہ مقاصد بڑی حد تک پورے نہ ہو سکے۔ ●●

بقیہ: ساری دنیا انفلوئنزا وبا کی لپیٹ میں

کی وبا پر قابو پانے کے لئے دنیا بھر میں بڑے پیمانے پر منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ عالمی صحت کے جزلوں کا خیال تھا کہ اصل دشمن پرندوں سے متعلق فلو ہو سکتا ہے اور گمان یہ کیا جا رہا تھا کہ یہ انسانوں کو مرغیوں سے لگتا ہے اور یہ کہ سب سے پہلے اس کا حملہ جنوبی چین یا جنوب مشرقی ایشیا میں ہوگا۔ لیکن فلو سور سے شروع ہوا ہے اور وہ بھی ایشیا میں نہیں میکسیکو میں جس کا کسی کو وہم وگمان بھی نہیں تھا۔ عالمی سطح پر انفلوئنزا کی وبا ۱۹۶۸ء کے بعد سے اب تک نہیں پھیلی تھی۔ ظاہر ہے کہ چار دہائیاں کسی کے خطرناک ہونے کے خیالوں کو دل ودماغ سے نکالنے کے لئے بہت کافی ہوتی ہیں۔ دنیا نے ۱۹۷۰ء میں ہانگ کانگ میں پھیلنے والی برڈ فلو کے بھی دنیا بھر میں پھیلنے کے امکان کے بارے میں بھی سوچنا ترک کر دیا تھا۔ نئی وبا نے پہلی بار ۲۹ راپریل کو سر اٹھایا تھا۔ اس وبا کے نام سے ہی پریشان ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عام قسم کے فلو کے برخلاف جو بالعموم بوڑھے افراد کو اپنا شکار بناتا ہے اس بیماری کے شکار زیادہ تر جوان اور تندرست لوگ ہوتے ہیں۔ ابھی تک اس وبا تے سے مرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے اور کہا جا رہا ہے کہ اگر تمام امکانات کو سامنے رکھ لیا جائے تو بھی چند سو اموات امریکہ میں ہر سال موسمی انفلوئنزا سے ہونے والی تیس ہزار اموات سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ ذمہ داران کا ریڈ الرٹ کرنا اس لحاظ سے ضروری ہے کہ انفلوئنزا جو ہر چند دہائیوں کے بعد وبا کی شکل میں حملہ آور ہوتا ہے لاکھوں انسانوں کو اپنا لقمہ بنا لیتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۶۸ء میں دس لاکھ اور ۱۹۱۸-۱۹ء کے ”اسپینش فلو“ میں دس کروڑ انسان اس کے طفیل لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ یہاں تک جو وبائیں معمولی ہوتی ہیں وہ بھی بہت خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔ میکسیکو میں مرنے والوں میں ۹ اور بارہ سال کی دو لڑکیاں، تیرہ سال کا ایک لڑکا، چار افراد ساٹھ سال سے زیادہ عمر کے اور دیگر ۱۹ افراد ۲۱ اور ۳۹ سال کی عمر کے درمیان کے ہیں۔ برطانیہ میں تقریباً سات سو افراد کے اس وبا کی لپیٹ میں آ جانے کا شبہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔ تاہم اس کی تصدیق لیباریٹریوں سے ہی ہو سکے گی۔

سوائن فلو اور اس کی علامات

سوائن فلو کی علامات عام فلو کی علامات جیسی ہی ہوتی ہیں جبکہ ان میں بخار، کھانسی، گلے میں جلن، جسم میں درد، سر میں درد، لرزہ خیز سردی، قے کی شکایتیں بھی شامل ہوتی ہیں کچھ لوگوں نے اسہال اور قے کی بھی شکایتیں کی ہیں۔ نمونیا اور سانس کے نظام کی ناکامی کی بھی لوگوں میں رپورٹیں ملی ہیں۔ بچوں میں سانس لینے میں تکلیف، جلد کے رنگ کا نیلا پڑ جانا، مزاج میں چڑچڑا پن، بخار اور پتی یعنی جسم پر سرخ داغ پڑنے کی شکایتیں پائی گئی ہیں۔

سوائن انفلوئنزا وائرس بھی موسمی فلو کی طرح ہی پھیلتا ہے۔ یہ خاص طور سے انفلوئنزا میں مبتلا لوگوں کی کھانسی اور چھینک سے پھیلتا ہے۔ کبھی کبھی لوگوں کو آلودہ سطح کو چھونے اور پھر اپنے منھ یا ناک کو چھونے سے بھی اس کا اثر ہو جاتا ہے۔

متاثرہ لوگ خود اپنے اندر علامات ظاہر ہونے سے ایک دن پہلے اور بیمار ہونے کے سات دن بعد تک اس کا انفیکشن دوسروں میں پھیلا سکتے ہیں۔

اس کے علاج یا انفیکشن سے بچنے کے لئے اوز لٹامی ویر Oseltamivir یا زانامی ویر Zanamivir کے استعمال کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ اینٹی وائرل ڈرگس تجویز کی جاتی ہیں۔ یہ دوائیں فلو وائرس کو جسم میں دوبارہ پیدا ہونے سے روکنے کا کام کرتی ہیں۔ سوائن فلو سے بچانے والی ابھی تک کوئی ویکسین دستیاب نہیں ہے تاہم اس کے جراثیم کو پھیلنے سے روکنے کے لئے کچھ اقدامات درج ذیل ہیں۔

اپنے چہرے اور ناک کو ٹشو سے ڈھانک کر رکھیں۔ خاص طور سے کھانسنے اور چھینکنے کے وقت۔ ٹشو کو استعمال کرنے کے بعد کوڑے دان میں پھینک دیں۔

اپنے ہاتھوں کو بار بار صابن اور پانی سے دھوتے رہیں خاص طور سے کھانسنے اور چھینکنے کے بعد۔ اپنی آنکھوں، ناک اور منھ کو ہاتھ لگانے سے پرہیز کریں۔

بیمار افراد کو چھونے سے احتراز کریں۔ انفلوئنزا کے مریضوں کو گھروں کے اندر رہنے کی سفارش کی جاتی ہے کہ وہ کارخانوں، دفاتر اور اسکولوں میں نہ آئیں اور دوسروں سے ملنے سے بچیں تا کہ وہ انفیکشن سے بچے رہیں۔ موسمی انفلوئنزا کی طرح سوائن فلو انسانوں میں ہلکے اور تیز بہت سے اثرات پیدا کر سکتا ہے۔ اس کا انفیکشن مہلک بھی ہو سکتا ہے۔

عالمی ادارہ صحت نے سرحدوں، عام سفر یا سرحدوں کو بند کرنے کے بارے میں کوئی مشورہ نہیں دیا ہے۔ لیکن بیمار لوگوں کے بین الاقوامی سفر کو ملتوی کرنا اور بین الاقوامی سفر کے بعد علامات ظاہر ہونے پر میڈیکل امداد حاصل کرنا ہی سمجھداری ہے۔ ●●

دعائے مغفرت

● رائے بریلی۔ ڈاکٹر محمد اکبر کی اہلیہ نجمہ خاتون کا ۲۹ راپریل کو انتقال ہو گیا۔
شفیع احمد، رائے پور

● میرے ماموں جناب عبدالحئی فاروقی کا ۲۹ راپریل کو ۷۲ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ پسماندگان میں بیوہ کے علاوہ چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ محمد ارشد فاروقی
سکریٹری مرکزی جمعیۃ علماء ہند

مرحومین کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

بقیہ: نیپال کا سیاسی بحران......

بادشاہت سے ہمدردی رکھنے والے اور اس کے نمک خوار ابھی موجود تھے، وہ بھی اپنی کوششیں کر رہے تھے اور ماؤنوازوں کے قدم آگے بڑھنے سے روکنے کی تدبیریں کر رہے تھے اور چالیں چل رہے تھے۔ ان عناصر کو بیرونی کمک بھی پہنچ رہی تھی، جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ بادشاہت کے تئیں نرم گوشہ رکھنے والی جماعت نیپالی کانگریس حکومت سازی سے خود کو دور رکھ رہی تھی یہاں تک کہ صدارت کے لئے اپنے نمائندے کو نہ صرف کھڑا کرنے میں بلکہ اسے واضح فرق کے ساتھ فتح سے ہمکنار کرنے میں بھی کامیاب ہو گئی۔ صدارت کے لئے دوبار انتخاب ہوئے۔ پہلی مرتبہ ۱۹ر جولائی ۲۰۰۸ء کو جس میں نیپالی کانگریس کے امیدوار (اور موجودہ صدر) ڈاکٹر رام برن یادو کو ۲۸۳ ووٹ ملے جبکہ ماؤنوازوں کے امیدوار رام راجہ پرساد سنگھ کو ۲۷۰، جبکہ مطلوبہ ہدف ۲۹۸ تھا۔ لہٰذا دوسرے راؤنڈ کی رائے شماری کرائی گئی۔ اس بار یادو کو ۳۰۸ ووٹ ملے اور وہ صدر منتخب کر لئے گئے۔ اس کے بعد اگست ۲۰۰۸ء میں وزارت عظمیٰ کا الیکشن ہوا جس میں پشپ کمل دہل پرچنڈ کو کامیابی ملی، اختلافات کا بیج دراصل اسی دن بو دیا گیا تھا جو بالآخر ۴ مئی ۲۰۰۹ء کو ان کے استعفیٰ کی صورت میں پھوٹ کر باہر نکل آیا ہے۔ (ش ر)

مسجد اشاعت اسلام میں خطبہ جمعہ

عبادات کی طرح دیگر معاملات میں بھی خدا اور رسولؐ کی اتباع مطلوب ہے

نئی دہلی۔ ”اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس سے محبت بلکہ اس پر ایمان کی علامت یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو جائے، اس کی اطاعت کرے اور اس کی تابعداری قبول کرے“۔ ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے یکم مئی کے خطبہ جمعہ میں امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے کہا کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنے اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، روگردانی کر رہا ہے تو یہ ایمان کا نہیں، کفر کا راستہ ہے۔ کافروں کا طریقہ ہے اور کافروں سے اللہ محبت نہیں کرتا۔ ایمان کا راستہ یہ نہیں ہے کہ ایک طرف تو آدمی ایمان کا دعویٰ کرے، خدا سے محبت اور اس سے تعلق کا اظہار بھی کرے مگر اس کی نافرمانی بھی کرے۔ ظاہر ہے کوئی مسلمان اس کی جسارت تو نہیں کرتا کہ علانیہ کہے کہ میں خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کو نہیں مانتا لیکن اس کا طرز عمل بتاتا ہے کہ وہ خدا اور رسول ﷺ کا مطیع و فرمانبردار ہے یا نہیں۔

امیر جماعت نے کہا کہ انسان کے پاس یہ جاننے کا براہ راست کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ خدا کی مرضی کیا ہے اور اس کی پسند و ناپسند کیا ہے۔ اس نے کن باتوں کا حکم دیا ہے اور کن باتوں سے منع کیا ہے، اس کی عبادت کیسے کی جائے اور اس کی رضا کا راستہ کیسے معلوم کیا جائے؟ خدا کی مرضی جاننے کا واحد ذریعہ انبیاء و رسل ہیں اور وہی خدائی احکام و ہدایات کے شارح و ترجمان ہیں۔ اس لئے رسول ﷺ کی اطاعت دراصل خدا کی اطاعت ہے اور اس سے محبت دراصل خدا سے محبت ہے۔

مولانا عمری نے اتباع رسول کی اسپرٹ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ کسی شخص کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کہے کہ فلاں معاملے میں تو میں رسول خدا کی اطاعت کر رہا ہوں اور فلاں معاملے میں آزاد ہوں۔ اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسے یہ کہنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ نماز، روزہ تو ہم آپ کی ہدایت کے مطابق انجام دیں گے لیکن ہمارا کاروبار کیسے چلے؟ ہمارا گھر کیسے چلے؟ ہمارے معاملات کیسے ہوں؟ لوگوں سے ہمارے تعلقات کیسے ہوں؟ ہم وطن لوگوں سے کیسے معاملہ ہو؟ حکومت اور سیاست کیسے ہو؟ اس کا اختیار ہمارے ہاتھ میں رہے گا۔ اسے تو خدا اور رسولؐ کے آگے پوری طرح سرینڈر کرنا ہوگا جبھی وہ مسلمان کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔ خدا اور رسول کے احکام کی سچے دل سے اتباع کرنے والے ہی دراصل کامیاب اور فائز المرام ہوں گے اور انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے درمیان انہیں جگہ ملے گی۔

مرکز کا ہفتہ وار پروگرام

دعوت کا مقصود لوگوں کو غیر اللہ کی بندگی و پرستش سے نجات دلانا ہے

نئی دہلی۔ ۲ رمئی کی شام مرکز جماعت اسلامی ہند کے ہفتہ وار پروگرام میں جناب محمد اقبال ملا سکریٹری شعبۂ دعوت جماعت اسلامی ہند نے کہا کہ بندگانِ خدا کی گمراہی پر کڑھنا اور ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرنا اور ان کے لئے جنت کا حریص ہونا دعوت دین کی اصل اسپرٹ ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے فرمائی کہ ”شاید تم ان لوگوں کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان ہلاک کر دو گے اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے“۔ انھوں نے کہا کہ دعوت دین کے ذریعے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کرنا یا فوری طور پر اپنی حکومت قائم کرنا دین کا محرک نہیں ہے بلکہ یہ ایک غلط فہمی ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں پائی جاتی ہے۔ موصوف ”دعوت دین کا جذبہ اور صحابہ کرامؓ“ کے زیر عنوان خطاب کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ دعوت کا مقصود لوگوں کو اللہ کے سوا ہر طرح کی بندگیوں اور پرستشوں سے نجات دلانا ہے جس میں بندگی نفس بھی شامل ہے۔ انھوں نے کہا کہ دعوت دین کی جو تڑپ اور بندگان خدا کو جہنم سے نجات دلانے کیلئے جو کرب و بے چینی صحابہ کرامؓ میں پائی جاتی تھی وہ ہمارے لئے نمونہ عمل ہے اور اس معاملے میں صحابہ کرامؓ ہمارے رول ماڈل ہیں۔ انھوں نے کہا کہ دور اول میں صحابہ کرام کو دعوت دین کیلئے کوئی انجمن یا تنظیم بنانے کی ضرورت نہیں پیش آئی کیونکہ اس گروہ کے ہر فرد میں دعوت دین کا جذبہ موجزن تھا۔ وہ اپنے نجی کاروبار اور تجارت کے لئے بھی نکلے تو دعوت الی اللہ کے کام کو جاری رکھا اور جہاں بھی گئے اپنے ساتھ اسلام کا تحفہ لیتے گئے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر جماعت اسلامی ہند نے روز اول سے دعوت دین کے کام کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل کیا ہے۔

(رپورٹ: عبدالحق فلاحی)

فارغین جامعۃ الفلاح کی تنظیم کا خبرنامہ منظر عام پر

بلیریا گنج۔ انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج کا سہ ماہی ترجمان خبرنامہ منظر عام پر آ گیا ہے جو چکنے دبیز کاغذ پر خوبصورت دورنگی طباعت سے مزین ہے۔ یہ سال رواں کا پہلا شمارہ ہے۔ تازہ شمارہ انجمن کے اجلاس ہائے شوریٰ و مجلس نمائندگان کے اہم فیصلوں کی جانکاری، ملک و بیرون ملک انجمن کی یونٹوں کے قیام اور ان کی نشستوں کے انعقاد جامعہ میں گزشتہ سال شعبۂ ابتدائی و حفظ سے لے کر اعلیٰ درجات میں اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو انجمن کی جانب سے تجیعی انعامات کی تقسیم کی نام بہ نام تفصیل اور دیگر اہم معلومات پر مشتمل ہے۔ آخر میں فارم ممبر شپ انجمن طلبہ قدیم بھی موجود ہے۔ جو حضرات ابھی تک اس کے ممبر نہ بنے ہوں وہ اسے پُر کر کے ممبری فیس سو روپے جمع کر کے انجمن کا ممبر بن سکتے ہیں۔ فروری کے آخری عشرے میں نئی دہلی میں منعقدہ مجلس نمائندگان کے اجلاس کی رپورٹ بھی اس میں شامل ہے۔

مراسلت کا پتہ:
ڈاکٹر عبدالباری، ایڈیٹر خبرنامہ انجمن طلبہ قدیم
جامعۃ الفلاح، مکان نمبر 387 / 384،
گلی نمبر ۱، ذاکر نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵
فون نمبر 9999915488، ای میل:
atq.jamiatulfalah@gmial.org

بقیہ: بکھرے ہوئے عناصر کو جوڑنے کی کوششیں

اس پر ذات پات کی بنیاد پر ووٹوں کی تقسیم مستزاد ہے۔ اس نے توازن کے کھیل کو بہت نازک اور پریشان کن بنا دیا ہے۔ یہ کہنے کی حالت میں اس وقت کوئی پارٹی نہیں ہے اور خاص طور پر بڑی پارٹیاں کہ ان کا ووٹ بالکل محفوظ ہے اس پر نقب نہیں لگائی جا سکتی۔ جہاں تک مراعات یافتہ طبقے مفادات کے تحفظ کا سوال ہے تو اس میں بھی مقابلہ آرائی چل رہی ہے۔

اسی دوران یہ خبر ملی ہے کہ کمیونسٹ پارٹی نے بائیں بازو کے نظریات کے حامل تمام سیاسی عناصر کو جوڑنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں اور انہیں نظریے کی بنیاد پر اکٹھا اور منظم کر رہی ہے۔ اس کا دائرہ اب قدرے پھیلا دیا گیا ہے اور اس میں سوشلسٹوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق کمیونسٹ لیڈروں کی جنتا دل متحدہ کے لیڈروں نتیش کمار اور شرد یادو کے ساتھ بھی رابطہ قائم کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ سوشلسٹ نظریات رکھنے والے لیڈر خیال کئے جاتے ہیں اور نتیش کمار کے ایک بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے جس میں ان سے منسوب کر کے یہ کہا گیا ہے کہ بائیں بازو کی پارٹیاں ان کی پرانی دوست ہیں۔ انھوں نے ایک معنی خیز بات یہ کہی ہے کہ وہ کانگریس کی سربراہی والے کسی اتحاد میں شامل نہیں ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی نئے اتحاد میں شامل ہو سکتے ہیں اور وہ اتحاد بائیں بازو کی سربراہی والا اتحاد ہو سکتا ہے۔ جو تیسرا مورچہ ہے۔ بائیں بازو کے اتحاد کی یہ کوشش ہے کہ وہ بی جے پی اور کانگریس کا متبادل اتحاد بنائے اور اس کو اقتدار تک پہنچائے۔ ●●

شیخ عبدالعزیز الرنتیسی کی شہادت کے ۵ سال

عربی سے ترجمہ:
ابوالاعلیٰ سید سبحانی

ایمن البطیجی ایک فلسطینی جیل افسر تھے۔ شیخ رنتیسی کو جب نذر زنداں کیا گیا تو آپ ان کی نگرانی پر مامور تھے۔ لیکن جلد ہی ان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی زندگی بالکل ہی بدل گئی۔ پھر وہ ایک ظالم جیلر کی جگہ ایک امام اور خطیب تھے۔ فلسطین کی مسجدوں میں وہ حماس کا دفاع کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ شیخ رنتیسی کی شہادت کے پانچ سال مکمل ہونے پر ہفت روزہ عربی رسالہ ''المجتمع'' نے ان سے ایک انٹرویو لیا تھا، جس کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش ہے: (مترجم)

س:- ڈاکٹر عبدالعزیز الرنتیسی سے آپ کس طرح متعارف ہوئے؟ اور آپ ان سے اس قدر متاثر کیسے ہوئے؟

ج:- میری ان سے معرفت کی ابتداء اس وقت ہوئی جب سابقہ فلسطینی حکومت کے ہاتھوں امریکہ اور صہیونیت کے اشارے پر انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ یہ گرفتاری سرحدی علاقے میں محی الدین شریف کے اوپر اچانک حملے کے بعد میڈیا ہنگامے کے نتیجے میں روبہ عمل آئی تھی۔ اس وقت میں ایک افسر تھا۔

میرا خیال ہے کہ مجھے خدائے بزرگ وبرتر نے منتخب کیا تھا کہ میں ڈاکٹر رنتیسی کے ساتھ ان کے کمرے میں رہوں۔ میں روزانہ چھ گھنٹے ان کے ساتھ رہتا تھا۔ یہیں سے مجھے اس شخص کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ پہلی چیز جس نے مجھے ان کی طرف مائل کیا وہ ان کی طبیعت کی نرمی اور حسن اخلاق تھی۔ ہمارے ساتھ نرمی سے پیش آتے، ہم سے مذاق کرتے، ہمیں گلے لگاتے، اور جب ہم اگلے دن لوٹ کر آتے تو بہت ہی شوق ورغبت کے ساتھ ہمارا استقبال کرتے۔ میں حیرت میں پڑ گیا اور اپنے آپ سے سوال کرنے لگا: جب یہ شخص اپنے جیلروں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے تو دوسروں کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہوتا ہوگا۔

ساتھ ہی میں ان کی پابندی نماز، تہجد اور تلاوت قرآن پاک سے حددرجہ متاثر تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ شیخ ہمیں اس طرح اپنی طرف کھینچتے تھے جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ وہ بے مثال شخصیت کے مالک تھے۔ قائد بھی تھے اور نرم طبیعت بھی تھے۔

س:- ایک دن تھا کہ آپ مجاہدین کو قید کرتے تھے اور آج امام وخطیب بن کر مساجد میں انہی کا دفاع کرتے ہیں۔ یہ تبدیلی کیسے رونما ہوگئی؟

ج:- میرے تاثر اور تعلق میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ میں اس آدمی کی گرفتاری پر سخت حیرت زدہ تھا۔ میں ان سے سوالات کرنے لگا۔ آپ کون ہیں؟ یہاں کیوں ہیں؟ یہ اخوان المسلمون کیا ہے؟ حماس کے ساتھ یہ جنگ کیوں جاری ہے؟ اور وہ مجھے جواب دیتے رہتے اور پھر دھیرے دھیرے ہر چیز واضح ہوکر سامنے آگئی۔ میں نے اس تحریک یا دعوت کو جان لیا جس کی راہ میں نہ جانے کتنی شہادتوں کے بعد مجھے کامیابی ملی۔

قید کی حالت میں بھی وہ حسن اخلاق کا نمونہ تھے۔ گروہ بندی سے بچتے تھے۔ حکومت کو کسی چیز کا الزام دینے سے پرہیز کرتے تھے۔ ان کی پوری توجہ توبہ وانابت اور مقدسات دین کی بازیابی کے لئے جہاد پر رہتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اپنی گرفتاری کا سبب امریکی وصہیونی دباؤ اور مقبوضہ علاقے میں اسلامی بغاوت کے اندیشے کو بتاتے تھے۔

ہم میں سے جو بھی غیر حاضر ہوتا اس کے بارے میں ہمیشہ پوچھتے رہتے اور اس کے لئے خیروہدایت کی دعا کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ان کی رفاقت کے لمحات کا شوقین تھا۔ ان کا منتظر رہتا تھا اور پورے دن اس کے لئے تیار رہتا تھا۔

س:- ایک آدمی اس اخلاق کا مالک، آپ کا کیا احساس ہوتا تھا جب آپ انہیں جیل کی کوٹھریوں میں لے جاتے اور خوب اچھی طرح دروازے بند کردیا کرتے تھے۔ خاص طور سے اس وقت جبکہ آپ کے ان سے تعلقات اس درجہ استوار ہوگئے تھے؟ یہ سب کرنے کے بعد آپ ان سے نظریں کس طرح ملاتے تھے؟ اور ان کا ردعمل کیا ہوتا تھا؟

ج:- میں یہ وضاحت کردینا چاہتا ہوں کہ وہ کسی جیل میں نہیں تھے، بلکہ ایک گورنمنٹ آفس کے کسی روم میں بند تھے اور اس کی متعدد وجوہ تھیں، جن میں تحریک کے اندر ان کا مقام، لوگوں کے دلوں میں ان کا درجہ ہے۔ وہ کوئی عام شخص نہیں تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ہمہ وقت حکومت کی نگاہوں کے سامنے رہیں۔ وہاں دو لوگ ان کی نگرانی پر مامور تھے۔ ایک مسلمان تھا جو کمرے کے باہر رہتا تھا اور دوسرا ان کی سانسوں کی گنتی کرنے کے لئے کمرے کے اندر بیٹھا رہتا تھا۔ ہم نے نہ تو ان کو قید کیا تھا اور نہ ہی دروازہ بند کیا تھا بلکہ معاملہ صرف ایک کمرے کے اندر روکنے تک تھا تاکہ وہ لوگوں سے نیز ذرائع ابلاغ سے دور رہیں اور ان کی تمام حرکتوں کی نگرانی ہوتی رہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ان کو کسی نے مار پیٹ یا کسی اور ذریعے سے اذیت پہنچائی ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی اس کی جرأت بھی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ تو درحقیقت ایک شیر تھے جن سے ہر کوئی ڈرتا تھا۔ وہ تمام حرکتوں میں ایک نمونہ تھے۔ چال میں، گفتگو میں، ان کے اندر جذبات کا ایک امنڈتا ہوا سیلاب بھی تھا جس کے نتیجے میں وہ شعر کہا کرتے تھے اور اپنے خاندان سے شوق اور لگاؤ کا اظہار کرتے تھے۔ وہ بے مثال قائد شخصیت بھی تھے۔

شکر ہے باری تعالیٰ کا کہ اس نے مجھے ایسے لمحات میں ان کا ساتھ عطا فرمایا۔ رہا ان کا ردعمل تو مرحوم ہمیشہ تاکید کیا کرتے تھے کہ مسلح رہا کرو تاکہ تمہیں کوئی سزا نہ ملنے پائے۔

س:- رنتیسی، حماس اور اخوان المسلمون کے سلسلے میں شرح صدر کے بعد کیا آپ نے کبھی سوچا کہ اپنی اعلیٰ قیادت کے سامنے اپنی بات رکھیں یا آپ نے اپنی نوکری اور اپنی جان کے سلسلے میں مختلف اندیشوں کے پیش نظر اس کو چھپائے رکھا؟

ج:- فی الحقیقت ہماری قوم کا ایک بڑا حصہ ان سے خفیہ ہمدردی رکھتا ہے۔ لیکن میرا معاملہ مختلف ہے۔ میں ایک بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ جس کے نتیجے میں بہت سے مواقع پر میں ان کے دفاع سے نہیں چوکتا ہوں۔ مگر ہر موقع پر مجھے ایک ہی جواب ملتا ہے کہ یہ شخص تمہارے اس دفاع کا مستحق نہیں ہے۔ تم ان لوگوں کو ٹھیک سے نہیں جانتے ہو۔ یہ لوگ ہماری حکومت اور ہمارے مستقبل کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں کبھی ان کی باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کے پاس شیخ کے بالمقابل نہ تو کوئی مضبوط منطق تھی اور نہ ہی کوئی دلیل۔

س:- ان کی فکر اور ان کی شخصیت سے اس درجہ مطمئن ہونے کے بعد کیا کبھی آپ نے انہیں ان چیزوں کی فراہمی میں تعاون کیا جن سے اکثر قیدی محروم رہا کرتے ہیں جیسے قلم، کاغذ، گھر سے آنے والے خطوط وغیرہ؟ اور کیا وہ کبھی اس طرح کی چیزوں کا مطالبہ بھی کرتے تھے؟

ج:- ہاں میں ہفت روزہ اخبار ''الرسالہ'' چپکے سے ان کے پاس پہنچا دیا کرتا تھا۔ جو قریب ہی زمانے میں فلسطین کی سرزمین سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ یہ حماس کی جانب سے نکلتا تھا۔ میں خفیہ طور سے ان کے پاس لے جایا کرتا تھا تاکہ وہ اس کو پڑھتے رہیں اور خبروں سے واقف رہیں۔ اسی طرح بسا اوقات بعض کتابیں اور قلم وغیرہ بھی پہنچا دیا کرتا تھا جس سے وہ کبھی کبھی محروم رہتے تھے۔ مجھے بہت ہی مزہ آتا تھا جب ان کی پسندیدہ کوئی مزیدار کھانے کی چیز چپکے سے ان کے پاس لے کر جاتا تھا۔ میں خفیہ طور سے یہ کام کرکے بہت خوش ہوا کرتا تھا اور وہ اس کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ خوش ہوتے تھے مگر ہمیں تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے اور ہدیہ تحائف قبول کرتے تھے۔

لیکن انھوں نے کبھی ہم سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں، بلکہ اس کے برخلاف جب اجازت مل گئی اور ان کے گھر سے کھانا آنے لگا تو انھوں نے کبھی پھلوں اور کبھی چائے کے ذریعے ہماری ضیافت کی۔

س:- آپ نے کہا کہ میں رات ان کے ساتھ گزارتا تھا اور وہ دعوت دین اور تحریک حماس کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے، تو کیا انھوں نے گزشتہ گرفتاری یا ''مرج الزھور'' سے وابستہ کچھ یادگار باتیں بھی بیان کی تھیں؟

ج:- ہاں، انھوں نے جیل میں شیخ احمد یٰسین کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات کے متعلق بہت کچھ بیان کیا تھا، وہ ان ایام کو زندگی کے عظیم ترین ایام میں شمار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب خدائے برتر میری طرف نظر کرم کرے گا اور جنت میں داخل کرنے کا فیصلہ کرے گا تو وہ ان چند مہینوں کے صدقے ہی میں کرے گا جو میں نے شیخ احمد یٰسین کی خدمت میں گزارے ہیں۔ ان کو اپنے ہاتھوں سے راستہ دکھایا، اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا اور پانی پلایا...... میں ان کی تواضع دیکھ کر سوچ میں محو ہوجاتا کہ کس طرح وہ اپنے تمام کارناموں کو بارگاہ رب العزت میں شیخ کی خدمت کے بالمقابل بالکل بے حیثیت قرار دیتے ہیں۔

اس طرح انھوں نے اپنے حفظ قرآن پاک کے واقعے کو بیان کیا کہ وہ اللہ کا فضل واحسان تھا۔ اس سلسلے میں بڑا ہی مشہور واقعہ ہے کہ انھوں نے جیل میں ایک صہیونی افسر کے سامنے کھڑے ہونے سے انکار کردیا۔ جبکہ وہ جیل کا جائزہ لینے آیا تھا، تمام ہی قیدی اس کے سامنے کھڑے ہوگئے لیکن شیخ رنتیسی نے کھڑے ہونے سے انکار کردیا۔ پوچھا گیا تو بڑی شان اور مومنانہ عظمت سے فرمایا: ''میں تو صرف خدا کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں اور ایسا ہی ہمارا دین ہمیں سکھاتا ہے؟ افسر نے انہیں اس پر سخت دھمکی دی کیونکہ انھوں نے اس کو تمام فوجیوں اور تمام قیدیوں کے سامنے ذلیل کردیا تھا۔ اور اسی کے نتیجے میں اس افسر نے انہیں تین ماہ کی مکمل تنہائی کی سزا دے دی۔ اس مدت میں خدائے بزرگ وبرتر نے ان پر یہ کرم فرمایا کہ وہ آسانی حافظ قرآن بن گئے۔

> مشہور واقعہ ہے کہ انھوں نے جیل میں ایک صہیونی افسر کے سامنے کھڑے ہونے سے انکار کردیا۔ جبکہ وہ جیل کا جائزہ لینے آیا تھا، تمام ہی قیدی اس کے سامنے کھڑے ہوگئے لیکن شیخ رنتیسی نے کھڑے ہونے سے انکار کردیا۔ پوچھا گیا تو بڑی شان اور مومنانہ عظمت سے فرمایا: ''میں تو صرف خدا کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں اور ایسا ہی ہمارا دین ہمیں سکھاتا ہے؟''

رہا 'مرج الزھور' کا زمانہ تو وہ بڑی ہی عظیم یادگاریں ہیں، وہ ہمیشہ انہیں بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ''ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو''۔ وہ انہیں بہت ہی خوشگوار دن شمار کرتے تھے۔ جب تحریکی فکر کو فروغ حاصل ہوا اور پہلی مرتبہ دنیا نے حماس کو قریب سے جاننے کا موقع حاصل کیا۔ میڈیا کے وفود کا ایک سلسلہ تھا۔ شیخ رنتیسی، تحریک کے منتخب شدہ ترجمان تھے۔ ابتداء میں انھوں نے تواضع کے ساتھ اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کردیا، لیکن احباب کے اصرار پر مجبوراً قبول کرلیا۔

وفود کے سلسلے میں کہا کہ وہ کیمپ میں موجود نظم وضبط سے حددرجہ متاثر تھے، یہاں تک کہ ایک مخالف صحافی نے ان کے متعلق لکھا کہ انھوں نے ملکی نظم ونسق کی طرح پورا ایک نظم قائم کررکھا ہے۔ ان میں کوئی ذرائع ابلاغ کا ذمہ دار ہے تو کوئی طعام کا، کوئی وفود کا استقبال کرنے پر مامور ہے تو کوئی سونے اور خیمہ سازی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

ایک صحافی تو اس قدر حیرت میں پڑ گیا کہ شیخ سے پوچھ بیٹھا، کیا آپ کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ آپ سے اس قدر محبت کرتے ہیں، آپ کی بات سنتے اور فوراً ہی تطبیق وتنفیذ میں لگ جاتے ہیں۔ شیخ نے جواب دیا: ہرگز نہیں، میں نبی نہیں ہوں بلکہ نبی کا پیروکار ہوں، ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انہی نے ہم کو یہ سب باتیں سکھائی ہیں۔

س:- سب کچھ جاننے کے باوجود بعض ذرائع ابلاغ نے شیخ رنتیسی کے متعلق غلط افواہیں پھیلاکر ان کی صورت بگاڑنی چاہی، خاص طور پر اس وقت جبکہ آپ پہلی مرتبہ گرفتار ہوئے کہ یہ سب کچھ ابھرنے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے ہے۔ شیخ رنتیسی کا اس سلسلے میں کیا ردعمل ہوتا تھا؟

ج:- ہاں، میں اکثر ان سے کہا کرتا تھا کہ بعض لوگ آپ کے متعلق ایسا ایسا کہتے ہیں۔ تو وہ ہمیشہ کہتے ''تمہیں خدا کی قسم، مجھ سے یہ سب مت بیان کیا کرو، ان کو چھوڑ دو جو کررہے ہیں کرنے دو''۔ وہ کوئی توجہ نہیں دیتے اور نہ ہی یہ باتیں سننا چاہتے تھے۔ لیکن میں ان باتوں کا جواب دیا کرتا تھا اور سخت جواب دیتا تھا کیونکہ میں ان سے بہت قریب اور حقیقت حال سے زیادہ واقف تھا۔

دوسری مرتبہ گرفتاری کے بعد اس طرح کی افواہیں پھیلائی گئیں۔ لیکن جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شہید کردیے گئے تو زبانیں گنگ ہوگئیں اور وہ بڑے پریشان ہوئے اور ان کے لئے خیر ورحمت کی دعائیں کرنے لگے۔ ایسے لوگوں کا یہی شعار ہے کہ دلیر مرنے کے بعد بھی اچھا دلیر ہے۔

س:- ان کی شہادت کا آپ کے اوپر کیا اثر پڑا؟

ج:- میں یہ بات پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا کہ ہمیں اسی کی امید تھی۔ خاص طور سے شیخ احمد یٰسین کی شہادت کے بعد جب وہ سب کی واحد آواز بن گئے تھے، لیکن ہمیں یہ امید نہیں تھی کہ یہ سب کچھ اس قدر جلدی ہوجائے گا۔ یرموک کے میدان میں ان کے نام پر بیعت ہونے کے بعد میں ان کے پاس سے رخصت ہوا تھا۔ شیخ یٰسین کی شہادت کے تین دن بعد انھوں نے دور سے مجھے بھیڑ بھاڑ کے درمیان دیکھا اور ہم دونوں ایک دوسرے کی طرف لپک پڑے، انھوں نے مجھے گلے لگالیا۔ مجھے احساس ہوگیا تھا کہ میں ان کو رخصت کررہا ہوں۔ انھوں نے رخصت ہوتے وقت مجھے دعا دی: ''اللہ تمہاری مدد کرے، تمہیں اپنی امان میں رکھے''۔

ان کی شہادت کی خبر سنتے ہی میرے حواس قابو سے باہر ہوگئے۔ حتیٰ کہ بعض احباب میرے گھر آئے اور مجھے لے کر اسپتال گئے جہاں شیخ کا جسد مبارک خاموش آرام کررہا تھا۔ میں نے انہیں الوداع کیا اور اگلے روز تدفین سے قبل رات کے آخری پہر میں نے انہیں بوسہ دیا اور قبر کے پاس انتظار کرتا رہا حتیٰ کہ انہیں قبر میں لٹادیا گیا۔ وہ اہل غزہ کے لئے بڑے ہی المناک لمحات تھے۔ لاکھوں لوگوں نے غم واافسردگی کے عالم میں انہیں رخصت کیا اور خدائے بزرگ و برتر نے انہیں شہیدوں میں منتخب کرلیا۔

س:- ''رام اللہ'' میں مجاہدین کی گرفتاری اور تعذیب کون لوگ کررہے ہیں اور آپ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

ج:- میں ان سے کہتا ہوں کہ اللہ کے دشمنوں کے پیچھے چلنا ہی تمہارے لئے کافی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''کہہ دو، اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور اگر اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے، تم ان کی خواہشوں پر چلے تو اللہ تعالیٰ سے بچانے کو نہ تو تمہارا کوئی دوست ہوگا نہ مددگار''۔ (البقرہ:۱۲۰)

صہیونیت کی گود میں گرنے سے انہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہونے والا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جن لوگوں نے بھی اپنے دشمنوں کے ہاتھوں اپنی قیمت لگائی ان کو ذلت و رسوائی ہی نصیب ہوئی۔ شیخ رنتیسی اس بات سے بخوبی واقف تھے اور انھوں نے ان مصلحت پرستوں کے زوال اور ان کی پستی پر ''قادۃ السوء'' کے عنوان سے ایک قصیدہ بھی کہا تھا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

ترجمہ: ''تم فکر نہ کرو، دشمن مغلوب ہوکر رہے گا۔ وہ کیسے غالب ہوسکتا ہے جبکہ اس نے بتوں کو اپنا معبود بنارکھا ہے۔ وہ آنکھوں کے اندھے اور دلوں کے غافل ہیں۔ ان کے دل بند اور کان بہرے ہیں۔ ان کا مقصد شراب نوشی اور ان کا طریقۂ کار بزدلی ہے۔ ذلت ورسوائی نے ان کو متحد کر رکھا ہے''۔

میرا ان کے لئے پیغام ہے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ حماس کے بازو تمام اہل فلسطین کے لئے کشادہ ہیں۔ شیخ رنتیسی اتحاد واتفاق کو پسند کرتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ خندق واحد پر تمام ہی لوگ اتحاد کا مظاہرہ کریں۔ وہ ہمیشہ کہتے تھے۔ آؤ اس بات پر اتفاق کریں جو ہمارے تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم خدائے واحد کے علاوہ کسی کی پرستش نہیں کریں گے۔ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور مقابلہ کی خندق پر اتحاد کا مظاہرہ کریں گے۔ ●●

طب نبویؐ کے چند شہ پارے

مصباح الباری اناوی
شانتاپورم، کیرالہ

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے انسانوں کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان نعمتوں میں طب بھی ایک عظیم نعمت ہے۔ طب کے سلسلے میں کتب احادیث میں بہت سی روایات منقول ہیں اور قرآنی آیات میں بھی طب کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔

تمام محدثین عظام نے اپنی کتابوں میں طب نبویؐ کے لئے ایک باب خاص کیا ہے۔ جسے ''باب الطب'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس کا آغاز سب سے پہلے امام مالکؒ نے اپنی کتاب ''موطا'' میں کیا۔ پھر امام بخاریؒ نے، ان کے بعد امام مسلمؒ پھر اصحاب سنن اور پھر دیگر نے اتباع کی۔

مورخین نے میدانِ طب نبویؐ کا سہرا امام علی رضا ابن موسیٰ متوفی ۲۰۲ ہجری کے سر باندھا ہے، جن کا ایک رسالہ ہے جو اختصار وجامعیت کا شاہکار ہے۔ ڈاکٹر محمد علی البار نے اس کی تحقیق، تصحیح وتعلیق اور نشر و اشاعت کی ہے۔ اس کے بعد ''الطب النبویؐ'' کے نام سے عبدالملک بن حبیب اندلسی متوفی ۲۳۸ ہجری کی کتاب منظر عام پر آئی۔ عبدالملک اندلسی فقیہ ومحدث بھی تھے۔ ان کا لقب ''عالم اندلس'' تھا۔ یہ طب نبویؐ پر پہلی کتاب ہے جس میں بہت سی احادیث و ابواب کا ذکر کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد علی البار نے اپنے بیش قیمت علمی ومعیاری حاشیہ وضمیمہ کے ساتھ اس کتاب کو شائع کیا ہے۔

عبداللطیف بغدادی متوفی ۶۲۹ ہجری وہ کامیاب طبیب ہیں جنھوں نے اپنے رشحات قلم سے احادیث کی طبی نقطۂ نظر سے تشریح کی ہے۔ وہ طبیب، فقیہ، نحوی اور فلسفی بھی تھے۔ ان کی تالیفات میں ''الطب من الکتاب والسنۃ'' ہے جس کی تصحیح وتعلیق ڈاکٹر عبدالمعطی قلعجی نے کی ہے جو قیمتی آراء وافکار کا گنجینہ ہے۔ دیگر علماء جنھوں نے طب نبویؐ کے سلسلے میں کتابیں تالیف کیں ان میں سے چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں: ابن السُنّی، ابونعیم اصفہانی، حیفاشنی، کمال بن طرحان اور امام ذہبیؒ وغیرہ۔

امام ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار دمشق کے کبار علماء میں ہوتا ہے۔ ان کی ایک کتاب ''الطب النبویؐ'' ہے جو اپنے فن میں شاہکار کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہے۔ امام جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب ''المنہج السوی والمنہل الروی فی الطب النبویؐ'' ہے۔ اس کتاب کا شمار طب نبویؐ کی اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔ یہ ایک معرکۃ الآراء تصنیف ہے اور جدت طرازی کی آئینہ دار ہے۔ یہ طب کی تمام مشکلات کی گرہ کشائی کرتی ہے۔ اس سے پہلے جتنی کتابیں طب نبوی پر تالیف کی گئیں، یہ کتاب ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس میں کوئی گوشہ تشنۂ تکمیل نہیں ہے۔

طب نبویؐ کے چند اصول حسب ذیل ہیں: حضرت اسامہ بن شریک رحمۃ اللہ علیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ کے بندو! علاج کراؤ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر بیماری کے لئے شفا رکھی ہے۔ البتہ ایک بیماری اس سے مستثنیٰ ہے وہ ہے ہرم (یعنی بڑھاپا)''۔ بخاری کی ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر بیماری کے لئے شفا نازل کی ہے''۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر بیماری کے ساتھ شفا نازل کی ہے۔ جان لیا جس نے اوراک کرلیا۔ نابلد رہا وہ شخص جس نے غفلت برتی، سوائے موت کے، کیونکہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے''۔ (ابن ماجہ)

ان احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کرانے پر ابھارا ہے کیونکہ دوا ایسا وسیلہ اور ذریعہ ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے شفا رکھی ہے اور مسلمانوں کے اطباء کو بھی ابھارا ہے کہ وہ تحقیق وریسرچ اور غوروخوض کریں جن کی رسائی دنیا حاصل نہیں کرسکی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت یابی کے لئے مرض اور دوا میں توازن برقرار رکھنے کی جانب بھی رہنمائی کی کیونکہ دوا کی ایک معین مقدار ہوتی ہے جس پر عمل ضروری ہوا کرتا ہے اس میں زیادتی یا کمی کرنا باعث نقصان ہوا کرتا ہے۔

اسلام کی تعلیمات زندگی کے جملہ شعبہ جات کو محیط ہیں۔ علم صحت بھی اس سے خارج نہیں ہے۔ اسلام نے پانچ چیزوں کی حفاظت کو ضروری قرار دیا ہے وہ ہیں: (۱) دین (۲) نفس (۳) عزت (۴) مال (۵) عقل۔ ان پانچ میں سے تین کا تعلق جسد وروح سے ہے یعنی نفس، عزت اور عقل، طب سے جسم انسانی کی حفاظت اور امراض کی تکالیف کا ازالہ ہوتا ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دو اصناف ایسی ہیں جن کا انسان کے ساتھ لازم وملزوم کا سا رشتہ ہے۔ علماء کے لئے دین کی سمجھ بوجھ اور اطباء کے لئے جسم کی جانکاری۔ مزید یہ بھی فرمایا کہ شریعت کے علم کے بعد طب کو میں بہت اعلیٰ وارفع سمجھتا ہوں۔

آپؐ نے اپنے اہل وعیال اور اصحاب کا علاج کیا اور آپؐ نے بہت سی بیماریوں کی شفایابی کے مخفی گوشوں کی جانب امت کی رہنمائی کی ہے جس کے فوائد مرور ایام کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ انہی چیزوں میں ایک شہد بھی ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے شفا رکھی ہے۔ قرآن پاک میں بھی شہد کی شفایابی کا تذکرہ ہے: ''اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں القاء کیا کہ پہاڑوں، درختوں اور مچانوں پر چھتے بناؤ۔ پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوسو، پھر اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلو۔ اس کے پیٹ سے مختلف رنگوں کا مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے۔ ان لوگوں کیلئے جو غوروخوض سے کام لیتے ہیں''۔ (النحل:۶۸-۶۹) جدید سائنسی تحقیق نے شہد کے فوائد کو تسلیم کیا ہے جس میں نظام ہضم کی خرابی کا علاج، زخموں کا علاج، امراض جگر، امراض امعاء، امراض چشم، امراض جلد، امراض دوران خون اور اس کے علاوہ دوسری بیماریوں کا علاج شامل ہے۔

رسولؐ نے کلونجی کے سلسلے میں فرمایا کہ تم پر کلونجی کا استعمال ضروری ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں تمام بیماریوں کی شفا رکھی ہے۔ (ترمذی، بخاری، مسلم) عصر حاضر میں جدید تحقیق نے کلونجی کے فوائد پر مفصل بحث کی ہے۔ ''الشفاء بالحبۃ السوداء'' نامی کتاب میں کلونجی کے فوائد پر جامع بحث ملتی ہے جس میں جوڑوں کے ورم وسوزش، درد اور کینسر پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔ آپؐ نے روغن زیتون استعمال کرنے کی ترغیب دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''زیتون کھایا کرو اور اس کے روغن کی مالش کیا کرو کیونکہ یہ مبارک درخت سے حاصل کیا جاتا ہے''۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

جدید تحقیق نے یہ ثابت کیا کہ روغن زیتون تمام روغنوں سے افضل ہے کیونکہ یہ خون میں کولسٹرول کی مقدار کو کنٹرول کرتا ہے اور دل کی متحرک رگوں کی بیماری سے حفاظت کے لئے بھی مفید وکارآمد ہے اور یہ بلڈ پریشر کے دباؤ کو بھی کم کرتا ہے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے فرمایا: ''لہسن کھاؤ اگر میں فرشتوں سے ہم کلام نہ ہوتا تو اس کو کھاتا''۔ (ابوداؤد) سائنسی تحقیق نے لہسن کے فوائد پر انتہائی عمدہ اور سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی کہ یہ ایک نعمت ہے۔ ''اور وہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر کررکھا ہے تاکہ تم اس سے تروتازہ گوشت کھاؤ اس سے زینت کی چیزیں اور زیور نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ سمندر کے سینے کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ یہ سب اس لئے ہوتا ہے تاکہ تم اللہ کے فضل کے طالب بنو اور اس کے شکر گزار بنو''۔ (النحل:۱۴) بخاری میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتیوں کا اول طعام مچھلی ہوگا''۔ امریکی اور یورپی طبی اداروں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ہفتے میں دو مرتبہ مچھلی کھانے سے بہت سی بیماریوں سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ مچھلی کا تیل بھی بہت فائدہ مند ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سی احادیث، کھجور، سناکی، حنا، کافور، انجیر، سرکہ، جو، خربوزہ، کھیرا، ککڑی، کدو اور انار کے سلسلے میں منقول ہیں۔ مسواک استعمال کرنے کے سلسلے میں تو احادیث کی ایک کثیر تعداد ہے جن میں مسواک کے خصائص وفوائد کا ذکر ہے۔ اس سے منہ، دانتوں اور مسوڑھوں کو کافی فائدہ پہنچتا ہے۔ (عربی رسالہ البلاغ، اکتوبر ۲۰۰۸ء سے ترجمہ وتلخیص)

طب وصحت

چیکو: غذائی ودوائی خصوصیات

چیکو کو انگریزی میں Sapodilla کہا جاتا ہے۔ اس کا نباتاتی نام Manikar Zapota ہے اور اس کا تعلق فیملی Sapotaceae سے ہے۔ چیکو کا درخت تین سے چار میٹر اونچا ہوتا ہے۔ اس پر سفید رنگ کے پھول لگتے ہیں۔ اس کا پھل گول یا بیضوی ہوتا ہے جس کا محیط چار سے آٹھ سینٹی میٹر تک ہوتا ہے۔ اس کا گودا نرم، میٹھا اور دانے دار ہوتا ہے جس کا رنگ ہلکا پیلا سے ہلکا بھورا ہوتا ہے۔ گودے کی خوشبو Caramel سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ گودے کے اندر کالے رنگ کے لوبیا (Beans) کی شکل کے بیج ہوتے ہیں جن کی تعداد دو سے دس تک ہوسکتی ہے۔ درخت کی چھال میں ایک گوند (Gum) کی طرح کا مادہ پایا جاتا ہے جسے Chicle کہا جاتا ہے۔ ابتداء میں چیونگم اسی گوند سے بنائی جاتی تھی۔ چیکو انڈیا، فلپائن، سری لنکا، ملائشیا، میکسیکو، وینزویلا، گوئے مالا میں کاشت کیا جاتا ہے۔ انڈیا میں کاشت کیا جانے والا چیکو دسمبر سے مارچ تک پھل دیتا ہے۔ فلوریڈا میں یہ جون سے جولائی تک جبکہ میکسیکو میں یہ فروری سے اپریل اور اکتوبر سے دسمبر تک پھل دیتا ہے۔

کیمیائی اجزاء:

چھال: اس کی چھال میں Sapotin Tanin Saponin پائے جاتے ہیں۔

بیج: چیکو کے بیج میں Sapotin Saponin ۲۳ سے ۱۶ فیصد فیکسڈ آئل (an) Achrassaponin (alkoloid Sapotinnin 0.08% پائے جاتے ہیں۔

گوند (Chicle):

Resin 75%
Gum (Arabin)-10%
Calcuim Oxalate-sugar Etc

کچے پھل میں Tanin کی مقدار کافی زیادہ (پکے پھل کے مقابلے میں) ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے پانی میں ابال کر جوشاندہ بنایا جاتا ہے۔ جسے ڈائریا (اسہال) میں استعمال کروایا جاتا ہے۔ پکے پھل میں Tanin کی مقدار کم ہوکر صرف اوپری جلد میں ہی رہ جاتی ہے۔ پرانے پیلے پتوں کا جوشاندہ کھانسی، زکام اور پیچش میں مفید ہے۔ چھال سے بنی چائے بخار میں فائدہ دیتی ہے اور اس کے علاوہ اسے پیچش اور اسہال میں بھی استعمال کروایا جاتا ہے۔ بیجوں میں پیشاب آور خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ یہ گردے اور مثانے کی پتھری کو ختم کرتے ہیں، لیکن خیال رہے کہ چھ سے زیادہ بیج کھانے کی صورت میں قے اور معدے کا درد شروع ہوجائیگا۔ بیج کے پیسٹ سے جلدی امراض کیلئے مرہم بنایا جاتا ہے۔ کیوبا میں بیج کے جوشاندے کو بطور آئی واش استعمال کیا جاتا ہے۔ بیج کے پیسٹ کو زہریلے جانوروں کے کاٹنے کی صورت میں جلد پر لگایا جاتا ہے۔ ●●

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in , dawatnews@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
DL (S) - 05 / 3128 / 2009-2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)
POSTAL REGISTRATION No.

قدیم امریکی اصلاحی جیلوں کے قیدیوں کی حالت

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ایک مشرقی ریاست میں واقع رفاہی یا اصلاحی قید خانے میں داخل ہونے کے بعد جب اس کے دروازے بند ہوجاتے تھے تو قیدی کو انسانی روابط کو خیرباد کہنا پڑتا ہے یہ قید تنہائی بالعموم دس دس سال کے لئے ہوتی تھی اور یہ سب کچھ عیسائی عقیدے کے مطابق گناہوں اور ان کے عواقب سے نجات جیسے اچھے اور اعلیٰ عزائم کے نام پر کیا جاتا تھا۔ یہ ایک قدیم امریکی جیل تھی جس میں گناہ گاروں کو لایا جاتا تھا۔ گزشتہ کئی صدیوں سے آج تک متعدد قیدخانوں میں باہر کی دنیا کے قوانین کو خیرباد کہنا پڑتا ہے تاہم وہ کوئی اچھے مقامات نہیں اور ان کے عزائم بھی اچھے نہیں، اس کے باوجود اس بات کے امکانات ہوتے ہیں کہ کچھ لوگ وہاں سے اچھے بن کر نکلیں۔

۱۹ویں صدی کے اوائل سے امریکہ مواقع کی سرزمین بن چکی ہے لیکن اس کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے نتیجہ میں یہاں جرائم میں بھی بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے۔

ترجمہ: عبیداللہ قادری

مجرموں سے یہاں سختی سے نمٹا جاتا ہے اور اکثر اوقات انہیں تہہ خانوں، تنگ وتاریک کوٹھریوں اور جراثیم وبیماریوں سے آلودہ جیلوں میں رکھا جاتا ہے اور مسترد کردہ اور گھر ودیس نکالا سمجھا جاتا ہے۔ ایسے مجرموں میں سے سب سے بڑی مثال اوبرن (۱۸۱۷) اور سنگ سنگ (۱۹۲۶) کی ہیں ان دونوں کا تعلق ریاست نیویارک سے تھا ان قیدیوں کو دن کے اوقات میں اکٹھے ہونے کا موقع دیا جاتا تاہم رات کو انہیں الگ الگ رکھا جاتا تھا انہیں ایک دوسرے سے بات چیت کرنے کی ممانعت ہوتی تھی، خاموشی برقرار رکھنے کے احکام سخت تھے۔ وارڈن خلاف ورزی کرنے والے قیدیوں کو زدوکوب کرتے اور ان سے بہیمانہ سلوک کرتے، انہیں کوڑے بھی مارے جاتے تاہم زیادہ سے زیادہ یہ کوڑے مارنے کی تعداد ۳۹ تک ہوتی تھی، بعض قیدیوں کو ہاتھوں یا کلائیوں سے لٹکا دیا جاتا تھا یا ان کے سروں کو آہنی شکنجوں میں کس دیا جاتا تھا۔ تاہم نئے امریکی یہ نہیں چاہتے کہ جیلیں محض اسیری، بندش اور قید یا جسمانی عذاب اور تشدد تک محدود ہونی چاہئیں۔ عام قیدخانوں میں دی جانے والی اذیتوں کے خاتمے کے لئے فلاڈلفیا سوسائٹی جس میں کئی مذاہب کے لوگ شامل ہیں، کا کہنا ہے کہ ان جیلوں میں کسی کو بھی درست راستے کی سمجھ بوجھ آسکتی ہے اور وہ خدا رسیدہ ہوسکتا ہے۔ اس سوسائٹی کا سب سے پہلے قیام ۱۷۸۷ء میں وجود میں آیا تھا اور اس نے قیدخانے کو ایک ایسا مقام بنانے کی تجویز پیش کی تھی جہاں قیدی اپنے گناہوں سے تائب ہوجانے کی طرف مائل کئے جاسکیں، بالفاظ دیگر قیدخانوں کو اصلاحی مقاصد کے لئے استعمال کیا جانا چاہئے۔ ان کے خیال کے مطابق قید تنہائی اتنی سخت سزا نہیں اس لئے کہ اس سے قیدی کی اصلاح نہیں ہوتی، جتنا کہ قیدیوں کو مراقبہ، غوروفکر اور روحانی تلافی کے مواقع دینے سے ان کی اصلاح ممکن ہے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر سوسائٹی نے ۳۰ سال کی کوششوں کے بعد اپنے آئیڈیاز کو پنسلوانیا قانون کی صورت میں منتقل کیا اور یوں ۱۸۲۹ء میں پہلی بار فلاڈلفیا میں قیدیوں کا اصلاح خانہ یا اصلاحی قیدخانہ وجود میں آیا، ۱۹۷۱ء میں اس میں آخری بار قیدیوں کو لایا گیا تھا۔ اور اب یہ بند پڑا ہے۔ مشرقی ریاست کا یہ خوفناک قیدخانہ اب ایک میوزیم ہے تاہم یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں جانے کی ممانعت ہے اس کی دیواریں تقریباً ۲.۵ میٹر موٹی ہیں اور ۹ میٹر سے زیادہ بلند ہیں اس کے چاروں اطراف میں ۸۰۰ میٹر تک دھوئیں کی کالک سے آلودہ بلاکوں کا ایک سلسلہ ہے۔ قلعہ نما اس قیدخانے میں اشرافیہ طبقوں کو تحفظ فراہم کرنے کی بجائے ایسے لوگوں کو داخل کیا جاتا تھا جو سماجی تقاضوں سے بالکل نابلد ہوچکے ہوں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دس سال کی خوفناک قید تنہائی کے بعد بہت کم لوگ ہی ذہنی طور پر تندرست بچ پاتے تھے۔ قید کرنے والوں کا خیال تھا کہ وہ لوگ دس سال تنہا رہنے کے بعد راہب بن جاتے ہیں جب کہ حقیقت میں وہ پاگل ہوجاتے تھے۔ اس اصلاحی قیدخانے کے داخلی حصوں کو اس طرح ڈیزائن کیا گیا ہے کہ قیدخانے سے زیادہ چرچ لگتا ہے اور اطراف سے باہر کو نکلے ہوئے بیلن جیسے قالینوں سے مزین کوریڈور ہیں، محرابی طرز کی کھڑکیاں ہیں جن سے روشنی اور ہوا آتی ہے اور ماحول کو خوشگوار رکھتی ہے۔

ہر جیل کی کوٹھری ایک مستقل یونٹ ہے جس میں ہر طرح کی سہولت ہے اس کی دیواریں ۴۵ سینٹی میٹر موٹی ہیں۔ کوٹھری میں ہر قیدی کے لئے ایک بستر اور ایک ڈیسک بھی ہے اور کمرہ روشن وہوادار ہے جس کے بیرونی طرف ایک کھلا صحن ہے جہاں جسمانی ورزش کے اوقات میں جسمانی ورزش بھی کرائی جاتی تھی۔ قیدیوں کے بیت الخلاء بھی جدید قسم کے فلش والے ہیں اور ان کے کمروں میں ہر وقت پانی دستیاب رہتا ہے۔ پورا جیل خانہ سینٹرلی ہیٹنگ بھی ہے جس کی وجہ سے انتہائی موسم سرما میں بھی قیدیوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ اپنی نوعیت کی وہ سہولتیں ہیں جو پہلی بار کسی جیل کی عمارت میں قیدیوں کو فراہم کی گئی تھیں۔ ان سہولتوں کا مقصد قیدیوں کو محض آرام پہنچانا نہیں ہے بلکہ یہ اس تصور پر مبنی ہے کہ قیدی اس صورت میں اپنے داخلی معاملات پر توجہ مرکوز کرسکیں اور ہر قسم کے سیاسی، فوجی معاشی یا گروہی اتحادوں اور جرائم پیشہ ٹولیوں سے بے تعلق ہوتے جائیں۔ ایل روڈ کی طرح پٹریوں پر چلنے والی ایک ویگن سے خوراک قیدخانوں کے فیڈنگ ہولز کے ذریعے ان کے کمروں میں پہنچائی جاتی ہے۔

یوں قید تنہائی اور تجرد کی یہ صورتحال اتنی مکمل ہوتی ہے کہ قیدی کے دوست واحباب، رشتہ دار اس سے قطعی رابطہ نہیں رکھ سکتے۔ مطالعہ کے لئے ان قیدیوں کو بائبل دی جاتی تھی، اس کے علاوہ کسی قسم کے مطالعہ کی کوئی چیز انہیں فراہم نہیں کی جاتی۔ وہ ایک یا دو پیداواری کام کرسکتے ہیں، ان میں جوتے سازی کے علاوہ کپڑے بننے کا کام شامل ہے۔ مشرقی ریاست پر اپنی ڈائریکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے والی مورخ خاتون جینز جانو منسکی کے مطابق ان پیشوں کو جو اس جیل میں متعارف کرائے گئے ہیں اپنے قدیم دور کے پس منظر میں غور کرنے کی ضرورت ہے اس زمانے میں یہی دو کام ایسے ہیں جن میں زیادہ مشقت نہیں ہے اور یہ اصلاحی پہلو سے اس دور کی یادگار ہیں تاہم آج مینٹل ہیلتھ کے اسپتال، یتیم خانے خطرے کے وقت کی پناہ گاہیں غربا کے قیام کی رہائش گاہیں اور ایسے ہی دیگر بے شمار ادارے بڑے بڑے شہروں میں ایسے رفاہی اور سماجی کام انجام دے رہے ہیں۔ مشرقی ریاست کے امراء نے محرومیوں کے لئے بھی ایک اور عمارت تعمیر کی ہے ان کے ہر منصوبے میں اصلاح کا نظریہ کارفرما رہا ہے اور یہ نظریہ کارفرما ہے کہ توبہ اور ندامت پر افراد کو مائل کیا جائے اور جسمانی سزاؤں کو مکمل طور پر ختم کیا جائے۔ تاہم جیلوں کے برعکس

باقی صفحہ ۲ پر

ادارہ تعلیم بالغان وبالغات کے نئے مراکز

الحمدللہ اپریل کے آخری ہفتہ میں تین نئے مراکز قائم کئے گئے۔ دو بجنور میں اور ایک نگینہ میں۔ بجنور کے بخارہ اور لڈو پورہ بستی کے کناروں پر غریب مزدور پیشہ لوگ رہتے ہیں دونوں مقامات پر ۴۱ ان پڑھ طالبات کا اندراج کیا گیا جن میں دس خواتین اور ۳۱ بڑی عمر کی لڑکیاں ہیں ایک دو کو چھوڑ کر، اردو، ہندی تو درکنار قرآن شریف بھی نہیں پڑھا ہے۔ الحمدللہ تعلیم کا سلسلہ جاری ہوگیا ہے۔ اسی طرح نگینہ میں ۱۸ بچیوں نے داخلہ لیا جو پورے ذوق وشوق سے پڑھنے آرہی ہیں۔ راجو پور گاؤں میں ۶۵ غیر مسلم بچیاں مسلم بچیوں کے دوش بدوش تعلیم حاصل کررہی ہیں۔ انسانی کوششوں کا جو بھی دخل ہو لیکن فی الواقع یہ سب سراسر اللہ ہی کا فضل وکرم ہے۔

اس وقت پانچ سو سے زیادہ طالبات وخواتین ۳۱ مراکز میں زیر تعلیم ہیں۔

(محمد داؤد، ناظم ادارہ)

بقیہ: پوری ملت کو خاموشی اختیار کرنے کی یہ تلقین...

یقین دہانی بھی ہوئی ہے۔ جناب طاہر محمود کا کہنا ہے کہ وہ اس سلسلے میں جسٹس کاٹجو سے ملے ہیں۔ کس حیثیت سے ملے ہم نہیں جانتے۔ کیا ہماری کسی تنظیم نے انہیں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا یا وہ خود ذاتی اور انفرادی حیثیت سے ان سے ملے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جسٹس موصوف نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور یہ بھی کہا کہ وہ مسلمانوں کے ہمدرد ہیں اور متعدد معاملات میں انہوں نے مسلمانوں کی حمایت بھی کی ہے لیکن اس سلسلے میں نہ تو ان کا کوئی بیان شائع ہوا اور نہ ہی مضمون نگار ان کی طرف سے کوئی تحریر لے کر آئے۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو بات کب کی ختم ہوگئی ہوتی۔ طاہر محمود مصر ہیں کہ صرف ان کے کہنے پر احتجاج ملتوی کردیا جائے۔ ان کے خلوص میں شک نہیں لیکن ان کا مشورہ ہمارے حلق سے نیچے نہیں اتر پا رہا ہے۔ ایک غلطی کرنے والے شخص کو قائل کرکے کوئی بیان نہیں لے سکے لیکن دوسری طرف وہ پوری ملت کو کٹہرے میں کھڑا کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اس میں کوئی معقولیت نظر نہیں آتی۔

مضمون کے آخر میں موصوف نے علامہ اقبال کے ایک شعر کا حوالہ دے کر ہمیں مطمئن اور خاموش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے علم کی برتری کے اعتراف کے باوجود ہم کہنے پر مجبور ہیں کہ انہوں نے شعر کے معنی اور تعبیر میں غلطی کی ہے۔ علامہ نے امت پر مصیبتوں اور حملوں کو دیکھتے ہوئے اللہ رب العزت کی سب سے بڑی عدالت میں فریاد کی "اے اللہ قوم پر جو اس وقت مصیبت آئی ہوئی ہے اسے پوری طرح احساس کرنے اور آج کے حالات سے سبق لے کر کل کے لئے عمل کرنے کی توفیق عطا کر اور ہماری نصرت فرما" اس میں خاموش بیٹھنے کا نہیں بلکہ متاع کے لٹنے اور لوٹے جانے کا احساس دلانے کی کوشش کی گئی ہے اور حال سے سبق لے کر اقدام کے لئے اُبھارا گیا ہے ان دونوں کاموں کے لئے اُسی پر بھروسہ کرنے اور مدد مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔

حالات بہت نازک ہیں۔ آج اگر ہم نے خطرے کی گھنٹی کا نوٹس نہیں لیا اور بیٹھے رہ گئے تو آنے والی نسل ہمیں کسی حال میں معاف نہیں کرے گی۔ تلوار اٹھانے اور قانون کی حدوں کو پار کرنے کی بات نہ ہم نے کبھی کی ہے اور نہ کرتے ہیں۔ ہمیں خود ایک پہرے دار کی طرح جاگتے رہنا اور قوم کو جگائے رکھنا ہے۔ قبل اس کے ہمارا دین، تشخص، شعار اور نام ونشان مٹا دیا جائے اور ہمیں خبر بھی نہ ہو۔

●●

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر "دعوت" ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی
اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن
سب ایڈیٹرز: محمد عبداللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی، عمیر کوثر ندوی، اشرف علی بستوی

ضرورت رشتہ

پچیس سالہ اعلیٰ تعلیم کی حامل خوب رو خوش مزاج قد پانچ فٹ نو انچ میڈیکل کورس میں زیر تعلیم لڑکی کے لئے ایسے لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے جو اعلیٰ تعلیم فرسٹ ڈویژن کے ساتھ ہو خوبرو خوش مزاج قد پانچ فٹ آٹھ انچ سے کم نہ ہو اور عمر ۲۸ سال سے زیادہ نہ ہو۔ دین کے حامل لوگوں کو ترجیح دی جائے گی۔

Box No.786
C/o Sehroza Dawat
Dawat Nagar, D-314,
Abul Fazl Enclave,
Jamia Nagar, New Delhi-25

ضرورت رشتہ

تحریکی خاندان کی ایم اے بی ایڈ نیٹ اعلیٰ اخلاق وکردار کی حامل، نیک سیرت، خوب رو، اُمور خانہ داری میں ماہر ۲۹ سالہ پٹھان لڑکی کے لئے شریف خاندان کے تعلیم یافتہ مہذب برسرروزگار لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے لکھنؤ اور دہلی وقرب وجوار کے دینی مزاج کے حامل رشتے کو ترجیح دی جائے گی۔

Box No. 1059
C/o Sehroza Dawat
Dawat Nagar, D-314,
Abul Fazl Enclave,
Jamia Nagar, New Delhi-25

ضرورت رشتہ

ایک سن رسیدہ جوان اور صحت مند Businessman کے لئے ایسی کسی بیوہ سے رشتہ مطلوب ہے جو خوبرو، اسلام پسند اور چھوٹے بچوں کی ماں ہو۔

Contact No.
09811363973
Time: 8.00 to 10.00 PM Only

خصوصی اپیل

برادرانِ ملت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جامعۃ الفلاح ملک وملت کی عظیم خدمات انجام دینے میں مصروف ہے قرآن وسنت کی محققانہ تعلیم، دعوتی واصلاحی مزاج، وسعت فکر ونظر اور شرعی وعصری علوم کا بہترین امتزاج اس ادارے کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ طلبہ کے علاوہ طالبات کی اعلیٰ تعلیم کا نظم بھی ادارے نے بخوبی کیا ہے جہاں مختلف ریاستوں کی طالبات درجات فضیلت تک تعلیم حاصل کررہی ہیں۔ جامعہ کا سالانہ بجٹ تقریباً ڈیڑھ کروڑ کا ہے جو صرف اہل خیر حضرات کے گرانقدر تعاون سے پورا ہوتا ہے۔

اس وقت جامعہ مالی مشکلات کے دور سے گزر رہا ہے تعطیل گرما کے موقع پر اساتذہ کرام کے وفود مختلف شہروں میں روانہ کئے جارہے ہیں تاکہ محسنین جامعہ سے خصوصی ملاقاتیں کرکے ان کا تعاون حاصل کرسکیں۔

امید ہے اہل خیر حضرات کے مخلصانہ وفراخدلانہ تعاون کے ذریعہ صورتحال پر قابو پالیا جائے گا اور جامعہ اپنے اعلیٰ مقاصد کے حصول کی شاہراہ پر اطمینان وسکون کے ساتھ گامزن رہے گا۔

واللہ لایضیع اجر المحسنین "اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ والسلام

محمد طاہر مدنی، ناظم جامعۃ الفلاح

Bank Account
"JAMIATUL FALAH" A/c No. 20001, U.B.I.
Bilariaganj, Azamgarh (U.P.) 276121
Ph.: 05466 - 225140, Mob.: 09450737539

قیامت کے روز مرتبے کے اعتبار سے بدترین انسان وہ ہوگا جو دوسروں کی دنیا بنانے کی خاطر عاقبت تباہ کر ڈالے۔"

(ابن ماجہ)

UNIQUE CREATIONS
Specialist in Unipole & Structure Hordings
#4, Building No.29/35, 1st Main, Opp. Masjid-e-Husna,
S.R.K. Garden, Jayanagar East, Bangalore-41
E-mail: uniquecreations2008@gmail.com

دماغین برین ٹانک

(۱) دماغین ہر عمر کے ذہنی وجسمانی طور سے مصروف لوگوں کے لئے مددگار ہے

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

لیبل وکیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ، ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلق، خناق، کھانسی، نزلہ، وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

انسان اور اس کے مسائل پر مولانا سید جلال الدین عمری کی ۵ اہم کتابیں

● **خدا کی غلامی انسان کی معراج**
انسان کس طرح اللہ کی بندگی واطاعت کا حق ادا کرسکتا ہے اور وہ کن راہوں پر چل کر عظمت وسربلندی سے ہم کنار ہوسکتا ہے؟ اس سلسلے میں ایک پر درد مندانہ اور داعیانہ گفتگو۔
سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات: ۳۶ قیمت: Rs.10/=

● **انسانوں کی خدمت (اسلام کی نظر میں)**
اسلامی نقطۂ نظر سے خدمت خلق، اس کی اہمیت اور اس کے مختلف پہلوؤں کی تفہیم۔
سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات: ۳۲ قیمت: Rs.10/=

● **انسان اور اس کے مسائل**
انسان کا مقام، اس کے دینی ودنیوی واخروی مسائل اور اسلام اور انسان کے باہمی رشتے کی مکمل تاریخ۔
سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات: ۱۲۰ قیمت: Rs.20/=

● **اسلام اور وحدت بنی آدم**
زندگی کی حقیقت، اس کا صحیح مقصد اور اس کے غلط مقاصد رنگ، نسل کی بنیاد پر امتیاز اور قومی وخاندانی غرور وافتخار پر بھرپور تنقید اور تمام انسانوں کو باہمی محبت ومواسات کی دعوت۔
سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات: ۴۰ قیمت: Rs.6/=

● **بچے اور اسلام**
بچوں کی اہمیت، ان کی ولادت، ان کی تعلیم وتربیت اور ان کی فطری سرپرستی وکفالت سے متعلق ایک مختصر اور عمدہ کتاب۔
سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات: ۱۶ قیمت: Rs.6/=

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652, 26946447(D) Fax:26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com Website: www.mmipublishers.net

اعلان داخلہ

الجامعۃ الاسلامیۃ، شانتاپورم، کیرالا

میں دوسالہ تمہیدی کورس کے علاوہ چارسالہ ڈگری کورس پر مشتمل کلیات (کلیۃ اصول الدین اور کلیۃ الشریعہ) اور دوسالہ ایم اے (P.G.) کورس پر مشتمل کلیات (کلیۃ القرآن، کلیۃ الحدیث، کلیۃ الدعوۃ) میں داخلے کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں۔ تمہیدی کورس کا مقصد طلبہ کو چارسالہ ڈگری کورس کے لئے تیار کرنا ہے۔ چارسالہ ڈگری کورس میں عربی میڈیم سے فضیلت کے علاوہ کالی کٹ یونیورسٹی سے فاصلاتی نظام کے تحت انگریزی ادب میں بی اے (B.A.) بھی کرایا جاتا ہے۔

اہلیت برائے تمہیدی کورس:

☆ دسویں جماعت (SSLC) میں کم ازکم پچاس فیصد (50%) نمبرات سے کامیابی
☆ اُردو زبان سے اچھی طرح (تقریری وتحریری) واقفیت
☆ ناظرہ قرآن اور بنیادی دینی معلومات سے واقفیت
☆ عمر ۱۹ سال سے زائد، ہونا

سادہ کاغذ پر درخواست لکھ کر مارک لسٹ (Marklist) کی نقل کے ساتھ روانہ کریں اور رابطہ کے لئے اپنا فون نمبر بھی دیں۔ جن امیدواروں کا نتیجہ داخلہ ٹسٹ سے پہلے ظاہر نہیں ہوگا، ان کو بھی ٹسٹ میں شرکت کی اجازت دی جاسکتی ہے لیکن ان کو داخلے کی فائنل منظوری دسویں کے امتحان کا نتیجہ دیکھنے کے بعد ہی ملے گی۔

داخلہ ٹسٹ:

داخلہ ٹسٹ ۱۵ رجون (15-06-2009) بوقت ۱۰ بجے (10.00 AM) ہوگا۔ سرپرست کے ساتھ اس طرح تیار ہوکر آئیں کہ داخلہ کی صورت میں فوری قیام ممکن ہوسکے۔ نصاب تعلیم اور دیگر تفصیلات کے لئے جامعہ کا ویب سائٹ (www.aljamia.net) دیکھیں۔

الجامعۃ الاسلامیۃ شانتاپورم، کیرالا
Ph.:04933-270439, 271225,
E-mail:- aljamia@rediffmail.com

جموں وکشمیر یتیم خانہ سری نگر

ایک تعارف

یہ ادارہ ★ دو ہوسٹل چلاتا ہے جن میں چار سو یتیم بچے رہتے ہیں ★ یتیموں کے لئے ایک چیریٹیبل ہائر سکنڈری اسکول چلاتا ہے ★ مختلف آبادیوں میں دستکاری کے ساتھ چیریٹیبل مراکز چلاتا ہے ★ چار سو بیواؤں کو ماہانہ امداد دیتا ہے ★ ایک سو معذور افراد کو مالی امداد فراہم کرتا ہے ★ یتیم بچوں کو مالی امداد دے کر شادی کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے ★ تعلیم کے لئے سو یتیم بچوں کی مدد کرتا ہے ★ ہائیر اور ٹیکنیکل تعلیم کے لئے منتخب شدہ یتیم بچوں کی مالی امداد کرتا ہے ★ غریب، نادار اور محتاج مریضوں کی روزانہ امداد کرتا ہے ★

اس یتیم خانے کا معائنہ کیجئے

اور ہماری عملی خدمات اپنی آنکھوں سے دیکھئے۔ ہر چیز کھلی ہے، حسابات چیک ہوتے ہیں۔ ۲۰۰۸-۰۹ کا بجٹ تقریباً دو کروڑ روپے ہے۔ ہم اپنی یہ خدمات بلالحاظ مذہب وملت پیش کرتے ہیں۔ بس آخرت میں اچھے اجر کی طلب اور دوزخ سے پناہ مطلوب ہے۔

اپنے عطیات اس نام سے بھیجیں
"J & K YATEEM KHANA, A/C No. SB7378"
JK Bank, Chawri Bazar, Delhi-110006

ایس اے بخاری (چیئرمین)
09419059772

Jammu & Kashmir Yateem Khanah (Orphanage)
Bemina - Chatabal Crossing, Srinagar - 190010
Ph.: 0194-2471707, Mob.:09419056249, 09419059133,
Fax:0194-2481056